

آپ بکارتے ہیں

الہامی تصنیف

کترار ہے میں سامنے آنے سے آپ کیوں
کچھ مصیحت ضرور ہے اس اعتبار میں
وہ اور کھینچ گئے مہر سے دل کی کتاب سے
شاید کہ مجھ سے بھول ہوئی انتساب میں

طریقین نے ترور دار وصل دی اور دھیرے دھیرے
آگے بڑھنے لگی۔
یادیت فارم پر موجود لوگوں، مختلف اسٹارز،
دیکھنے والوں اور چھائی کی فریڈوں میں لچل پامر ورج ہر
مکمل تھی۔ بے اعتنا شور و غل تھا۔ کوئی پتھر یا تھا کوئی من
کے آئسو صاف کرتا نظر آ رہا تھا۔ وقت بھی کتنا عجیب
ہے۔ کسی کے لیے اسے دامن میں مسرتوں کے بھول
لاٹا ہے تو کسی کی بھولی میں جدائی کے کاٹنے
بھردیتا ہے۔

وہ بھی آج اس شہر سے جدا ہو رہی تھی۔ جہاں
زندگی کے جس سال اس نے ہاں اور باپ کی عزت
محبت جگر کی بناہ میں گزارے تھے۔ ہر کوئی پریشانی سے
بے نیاز رہ کر۔ اب ان کے دنیا سے جانے کے بعد وہ
بھرا پراشہ اس کے لیے انجان، بے مروت بن گیا تھا۔
لاکھوں کی آبادی میں کوئی اس کا گناہ قیام اپنا نہ تھا۔
ماں اباب کے مہرے ہی وہ لے آ رہا ہوئی تھی۔ اس کی
اب یہاں کوئی جائے جناہ نہ رہی تھی۔ اماں اور اباب کے

چالیسویں کے بعد ہی میوش آئی نے اپنے شوہر صابر
ملک کی بدست و چار کمروں، کھٹے کھن اور بڑے سے
برآج سے دال پختہ مکان فروخت کر دیا تھا۔ جس قدر
روٹی تھی وہ اس دن۔ میوش آئی کی بہت ملت و ناچت
کی تھی کہ اس مکان کو فروخت نہیں کریں۔ اس مکان
سے اسے اماں اور اباب کی خوشبوئیں آتی تھیں۔ ان کی
پاد میں گھر کے چپے چپے میں بھری ہوئی تھیں۔ اسے لگتا
تھا ابھی کسی کسے وہ دونوں مسکراتے ہوئے آ جائیں
گے۔

تھر ہمیشہ کی محسوس اور سنگ دل آئی نے اس کی
ایک نہ سنی۔ مدد کے لیے اس نے کسار بھائی کی طرف
دیکھا لیکن وہ تو اول روز سے "کیا حکم سے میرے
آقا" کی مثال تھے۔ بھلا کس طرح اس کی مدد کر سکتے
تھے۔ جواب میں انہوں نے یہی کہا کہ "میوش آپ
کی بڑی بہن ہیں اور وہ جو کچھ بھی کر رہی ہیں آپ کی
بہتری و بھلائی کے لیے ہے۔"
ان جیسے شریف و سچ جو، اسن پسند اور پامروت و

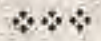
مخلص شخص سے یہ توقع ہی عیث تھی کہ وہ بھی بیوی کے آگے لب واکرمیں۔ وہ تو آئی کے لئے دام نظام تھے۔ پھر وہی ہوا، آئی نے مکان فروخت کر ڈالا اور اس کی رہائش وہاں باطل میں کر دی۔ اس نے ان کی ازدھمت و ساجت کی کہ وہ کھر فروخت کر بیچی ہیں؟ اسے یہاں باطل میں کیوں پھوڑے جا رہی ہیں؟

سنا کر بڑی کے جائیں وہ باطل میں نہیں رو سکتی۔ لیکن اس کے آنسو اور سسکیاں ان کے پھر دل کو زور بھی نہ پہنچا سکیں۔ انہوں نے حکم دیا تو بس وہ پتھر کی لکیر بن گیا تھا۔ اب چاہے دنیا اور کھری اور ہو جائے یا مٹن آسمان پر پہنچ جائے یا آسمان و مٹی پر آجائے، ان کے فیصلے میں رد و بدل ناممکن تھا۔

خلاف توقع اس بار صابر بھائی نے بھی ہونٹ وا کر کے زبان کو جنبش دی کہ "مہار کو یہاں چھوڑنا مناسب نہیں ہے، ساتھ لے چلو، بنگلے میں ہی کمرے والی ہیں کسی میں رہ لے گی۔" لیکن جواب میں آئی نے خاصی بددعائی بلکہ بدتمیزی سے بچ کر کہا۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ہم بہنوں کے میاں بد اخلاقت کی۔" اور صابر بھائی تو ان کی ایک ہی بات میں اس طرح لگا ہیں جھکا کر خاموش ہو گئے۔

بے کوئی بہت ہی تالاق اسٹوڈنٹ لیجر سے ڈانٹ کھا رہے تھیں پر ان کی رکھ کر بیٹھ جائے۔ وہ بیکلی بار آئی کی رعب شخصیت، بددعائی، سخت مزاجی، مغرور اور ہٹ نرم طبیعت سے بدظن و دلگرفتہ ہوئی تھی۔



باطل کے ماحول میں وہ ایک ماہ گزر جانے کے جو ذرا بدجست نہ ہو پائی تھی کہ اچانک ہی آمد بہار کر صابر بھائی کی کال آئی کہ وہ کراچی چلی آئے۔

سٹیشن پر اسے ریو کر لیں گے۔ وہ جو مر جانے کی تک بد دل و پر مردہ ہوئی تھی فوراً اس نے ہینکنگ لی گئی۔ فرسٹ کلاس میں یہ پرویشن نہ ہو سکی تھی۔ جس ڈبے میں سیٹ لی تھی۔ یہ عام ڈبوں سے کٹاوا تھا اور کم افراد تھے۔

ٹرین نے اسپید پکڑ لی تھی۔ پلیٹ قادم نگاہوں سے اوچھل ہوتا جا رہا تھا۔ ٹرین آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کا ذہن پیچھے دوڑ رہا تھا۔ سب یاد آ رہا تھا۔ اماں کا دوسٹے کے ہالے میں چمکتا سا وہ پر نور چہرہ، بچوں کی طرح نرم، شہد سا شیریں لہجہ، ابا کا شفقت بھرا انداز، محبت و اپنائیت بھرا تھوڑا لب سب کھو گیا۔

کہاں پائے گی ان رشتوں کو؟ مٹی کی آغوش میں چسپ جانے والے چہروں کو وہ اب بھی نہ دیکھ پائے گی۔ وہ زندگی کا کس قدر پر سوز ایہ تھا۔

اسے محسوس بھی نہ ہوا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

ٹرین پوری اسپید سے پڑی پر دوڑ رہی تھی۔ باہر تیزی سے منظر تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ وہ بھی تو کھڑکی کے پاس تھی لیکن دل کچھ اس طرح بھر بھر کر آ رہا تھا کہ وہ بہت آہستگی سے رومال سے چہرہ صاف کر رہی تھی جو مسلسل غم بھرا تھا۔

سانسے میٹ پر بیٹھ ہوئے افراد ایک ہی خاندان کے لگ رہے تھے۔ ایک لڑکی، دوسری بڑی بی اور تیسری درمیانی عمر کی عورت تھی ساتھ میں دو بچے تھے۔ اس کی سیٹ پر ان کے ساتھ آئے ایک بڑے میاں اور دوسرا آدمی بیٹھے تھے۔ بسا مٹ کے لحاظ سے دونوں پیلوان تھے اور شاید اسے تبہا اور چادر میں منہ چھپائے دیکھ کر کچھ زیادہ ہی فراخ دلی سے چہیل کر بیٹھے تھے۔

"مہار! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ پلیز ڈرا اور مچ جوس کا پکٹ تو نکال کر دیکھ گے۔" سانسے بیٹ سے لڑکی کی خاصی غریبی سی آواز ابھری۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ میری بیٹی، طبیعت گو میری بھی بگڑ رہی ہے۔ ابھی دونوں ماں بیٹی جوس پیتی ہیں۔" بڑی بی نے سیٹ کے پیچھے سے گولہ کھینچا۔

"آئی! اچھے بھی چکر آ رہے ہیں۔ ایک پکٹ مجھے بھی دیکھ گے۔" تیسری خاتون فوراً ہی مزاح کر بولی تھیں۔

"بھائی! آپ تہادی حرم کرنا چھوڑیں، ہمارا

لہنا چاہتا آپ سے برداشت کیوں نہیں ہوتا؟"

"ارے، حرم کرنی ہے میری جوڑا۔ ہونہ، تم نہیں چھٹیجی سے حرم کروں گی میں۔"

"بیو! انہیں تو زبان بند کر لیا کرو۔ یہ ریل ہے تمہارے باوا کا آگن گیس ہے۔" بڑی بی نے بیٹی کی طرف داری خاصے ہوشیار انداز میں کی تھی۔

"ارے واہ! مجھے نہیں اپنی بیٹی کو سمجھاؤ کہ یہ ریل ہے۔ اس کے باوا کا آگن گیس نہیں۔" وہاں سے تڑکی بہ نرملی جواب آیا۔

"تم کو گلوں کو جگہ کا احساس نہیں ہوتا؟ ہر جگہ ہالہ نکھو لئے بیٹھ جاتی ہو۔" بڑے میاں نے بیو کو غور سے ہوئے سر پر دیکھی۔

"بھڑ میں لائی کیا تھی اس کن بھری زبان کے ملاوہ۔"

"مہار! زیادتی کر رہی ہو تم بہت۔" بڑے میاں کے ساتھ بیٹھے ہوئے مرد کی مستعانی سی آواز ابھری۔

مہار نے بے ساختہ بڑی بی کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"چپ کر، جو رو کے غلام۔ حمایت لے لے کر اس عورت کو توڑنے سر پر بٹھا لیا۔" بڑی بی کو گویا کھولتے تیل کی کڑیائی میں پھینک دیا گیا ہو۔

وہ عورت جوان کی بیوی تھی، ساس کا خعدہ اسے بھی لگا روں پر لٹا گیا تھا پھر تو وہاں زبان کی گولا باری اتنی شدید انداز میں شروع ہوئی کہ ریل کی چھکا پھٹک بھی سنائی نہ رہے رہی تھی۔ بڑے میاں، بڑی بی اور لڑکی ایک محاذ پر اور وہ میاں بیوی دوسری طرف۔ ایک دوسرے کے خاندانوں کی قصیدہ خوانی بڑے شاندار لفظوں میں کی جا رہی تھی۔ ارد گرد کی سیٹوں پر بیٹھے لوگ بھی وہاں اٹھ کر قفا و کھنڈ آگئے تھے اور ان کی لڑائی ختم کروانے کے بجائے دونوں پارٹیوں کو اس طرح سپورٹ کر رہے تھے کہ وہ ان کی آہنی لگا ہوں اور شکست کیوں سے بے نیاز آپس میں خوب لڑ رہے تھے۔

ابھی یہ بنگام نامعلوم کیا صورت اختیار کر چکا کہ معا

ابھی یہ بنگام نامعلوم کیا صورت اختیار کر چکا کہ معا

کیرہ سے وہ اراڑو اسرار میں شخص ٹریول بیگ ہاتھ میں تھا اسے اندر داخل ہوا تھا۔

اس کے بلو جینز اور پینک ٹی شرٹ سے پھونکی مٹور کن فلک ہر سو جھلکی گئی۔ اس کی سرخ و سفید رگت، وجوہ کی قمارت سے سرخ ہو رہی تھی۔ ڈاکر گھاسر ہاتھ میں کھڑے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر وہاں پہنچ کر ڈالی پھر جب سے نکلت نکالت کر شاید ہر جگہ نمبر چیک کر رہا تھا۔ اس کی آمد پر حیرت انگیز طور پر وہاں چھتری جگہ فوراً بند ہوئی اور لوگ شاید اس کے لیے پورے سہرا بے، پرور قار و ہار رعب شخصیت سے مرعوب ہو کر اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے تھے۔

"ارے میاں! کہاں چلے آ رہے ہو؟ یہاں جگہ فکر آ رہی ہے تمہیں؟"

"مٹی۔ یہ تیری سیٹ۔ ہے۔ میرے ٹکٹ پر یہی نمبر درج ہے۔" اس کے شانستہ و مہذب لہجے میں کچھ ایسی سرد مہرئی ادب و مٹی کا عنصر نمایاں تھا کہ بڑے میاں نے خاموشی سے سسٹ کر جگہ دے دی تھی۔ اس نے ایک ٹکاواں مٹی سمٹائی سیاہ چادر میں سر جھکا کر بیٹھی لڑکی پر ڈالی تھی۔ پھر اپنا وہ چھوٹا سا بیک درمیان اس طرح رکھ کر کہ بیٹھ گیا تھا کہ اس کے ارد گرد کے درمیان خاصا فاصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ جبکہ مہار مزید کھڑکی سے چپک کر بیٹھ گئی تھی۔ انٹینی کے لمبوں سے لگتی ہوئی فلک نے اسے مقید کر ڈالا تھا۔ شاید وہ بے حد پر غیوم سپرے کرنے کا عادی تھا۔

چند لمبے ماحول پر سکون رہا تھا پھر سامنے والوں کے حالات مگڑنے لگے تھے۔ تینوں خواتین ابھی تک پرانے محاذ پر قائم تھیں۔ ان مرتبہ ان کے کچھ دھبے تھے اور دونوں مردوں نے بھی دھل دینے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اس آ۔ بڑے اے مسافر سے انتظار لے رہے تھے۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"کراچی۔"

"کسی عزیز سے ملنے جا رہے ہیں؟"

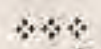
"جی نہیں، بھرے میرا۔"

ابھی یہ بنگام نامعلوم کیا صورت اختیار کر چکا کہ معا

”اچھا، یہاں لاہور میں سلسلے میں آئے تھے؟“
 ”ہاں، سلسلے میں آئے۔ آپ کی شخصیت اور کلمے میں جس قدر پرکشش ہے وہ جیسے ہی سمجھتا ہوں اس قدر ہی سہاگ اور دلکش تھا۔ بڑے میاں کے سوالوں کے جوابات اس نے بالکل بے ساختہ اور بے اندازہ میں دیئے تھے اور ان کے چپ ہوتے ہی سرعت سے بہت سے انگلیش میگزین نکال کر پڑھنے کے آگے کر لیا تھا اور بوسے میاں عزیز نظر دینی کی سرعت دل میں دبا گئے۔“

”اور کبھی بڑا جلد تھا شاید کبھی ہوتا لوگ؟“
 ”نہیں آئے کی تو لوگوں کو؟“
 ”جی ہاں کی۔“
 ”بڑے میاں اس بار چوبی اور چینی کو پلٹ کر بولے۔“
 ”میں تو پہلے کہہ رہی تھی میں نہیں جانتی ان لوگوں کے ساتھ۔“
 ”ان کو نہ اپنی عزت کا خیال ہے اور نہ وہ پروا رکھتا۔ مگر میری سہارا کون ہے؟“
 ”بہو توم نے اپنی دی گئی تھی۔“
 ”نیکم خاموش ہو جاؤ۔ والد صاحب سمجھا تو رہے ہیں۔“

”جو کچھ نہیں جانتا وہ کسی کے سمجھانے سے نہیں سمجھتا۔“
 ”جیسے کہتے سمجھا تھا کہ اس خاندان کی لڑکی مت نہ۔ اس خاندان کی لڑکیاں جہاں بھی گئیں اسی طرح گھروں میں آگ لگاتی ہے۔ سسرال تو ایک آنکھ نہیں بھاتا ان کو۔ مردوں کو بھی دن مرید بنالیا کرتی ہیں۔ مگر تو نہیں مانتا۔“
 ”جیسے مانتا، اس بھوت کی محبت کا جاؤ جو مر چاہے کہ بول رہا تھا۔“
 ”بڑی ہی ہاتھ لہرا کر کسی نیکی لیکر کے سے انداز میں گویا ہوتی ہیں۔“
 ”اور اس کا ذوق پھر ماضی کے جبر و کول میں بھجائے لگا تھا۔“



”اماں! مہوش آئی کراچی سے اسی طرح آتی ہیں جیسے امریکہ سے سات آٹھ سال بعد آ رہی ہوں۔“
 ”حالانکہ لگاتار انہیں چار مہینوں میں یہاں پہنچا دیتی ہے اور آپ بھی بھی نہیں گئی ہیں۔“
 ”میری دوست

سرست کی دیکھ دینی میں رہتی ہیں لیکن وہ دو سال پہلوں کی چھیلوں میں آئی ہیں اور دوبارہ کراچی میں آئی اسے ساتوں بعد آئی ہیں اور ایک خفیہ بھی ہو سکتی رہتی ہیں۔ اس بار دور ان کا موڈ بدستور بگڑا ہوا رہتا ہے اور صابر بھی اسے تو بھی بھی لائی کو میں نے سیدھے منہ بات کرتے نہیں دیکھا۔ وہ ہر وقت ان کے خرمے اٹھتے رہتے ہیں لیکن آتی۔“

”اپنے تو اپنی نہیں تھی مہوش، بے حد حسین ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی خوش اطالی و لطیفی کے چرچے مجھے میں تھے۔ شادی کے بعد اسکی ہوئی۔ اب تو مدت ہوئی اسے ایفون سے ملے ہوئے کسی سے دنا پسند نہیں کرتی۔ بعض اوقات تو مجھ سے بھی اس کا رویہ اکھڑا اکھڑا اور پیرا ہوتا ہے۔“
 ”بڑی بانی اماں کی آواز نہ دھکی کی تھی۔“

”اماں! آپ کی شادی پسند سے نہیں ہوئی تھی؟“
 ”بہت عرصے کا دل میں چھپا سوال آج اس نے پوچھ ہی ڈالا تھا۔ ویسے بھی اماں کی اور اس کی بہت دوش تھی۔ کان سے آنے کے بعد وہ اماں سے قریب ہی رہتی تھی۔“

”اماں۔ شاید مہوش مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔“
 ”اماں! میں نے مگر آواز دو ساتوں لیا تھا۔“
 ”مڈر سات چھوٹی بڑیوں اور جن چھوٹے بھائی اور بیوہ ماں کا واحد نیکل تھا۔ اتنا بڑا لکڑ اور فرش و فرشے دار یوں اور فرش میں جس شخص کا بال بال جھپٹا ہوا تھا بھلا ایسے شخص کو کیسے کس طرح ہی دے سکتی تھی۔ مہوش دیوانی ہو رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا وہ مڈر کے ساتھ مل کر اس کی ذمہ دار پاس ہانے کی۔ یہی حرف شکایت زبان پر نہ لائے گی۔ اس کی خواہش تھی مڈر کا پرچہ لے کر لیا جائے لیکن میرا دل اس رشتے کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ ہر ماں کی طرح سیری کی خواہش تھی کہ میری بیٹی چھوٹے کنبے میں بیاہی جائے جہاں اس پر تو سے دار یوں کا بھاری بوجھ بھی نہ ہو اور اسے عزت و وقار بھی ملے۔ اسی دوران ایک جاننے والی صابر ملک کا رشتہ لے کر آئی۔“

”اماں۔ ملک کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا اور اس کی

علازمت بھی اچھی تھی۔ میں نے دو رشتہ قبول کر لیا۔“
 ”کیونکہ صابر ملک ہر طرح سے بہتر لڑکا تھا۔ توہمہ رو سے لیا سے ایک۔ دو لکڑ کہا تھی کہ مہوش کی جہاں مریضی ہو وہ رشتہ کر کے مریضی میں کا مہوش کی دیکھ رہی تھی۔ میں نے دو دنوں باپ دینی کی نہیں تھی اور صابر ملک کے ہاتھ پتہ یاد میں اسے رخصت کر دیا اور دوبارہ کراچی چلی گئی۔“

”آپ نے کچھ کہا نہیں؟ خاموشی سے مذاق کرتی؟“

”اماں۔ وہ بہت فربہ مزاج اور سعادتمند عورت تھی۔ اس نے بھی میری بالے باپ کی حکم دینی نہیں کی تھی۔ مڈر کے رشتے پر بھی میں نے شاید مڈر کے کہنے پر بات کی تھی۔ میں نے منع کر دیا وہ خاموش ہوئی اور اسی خاموشی سے رخصت ہو کر چلی گئی۔“
 ”میں دولت عورت کے نصیب سے اور اولاد و مرزا کے مقدر سے ہوئی ہے۔ مہوش صابر کے لیے خوش بخت ثابت ہوئی تھی۔ شادی کے چھ ماہ بعد ہی اس کے بڑیوں میں اختلاف ہو چلا گیا۔ اس نے بیٹے علاقے میں مل کر لیا مہوش بولی تھی اور دولت مند بن گیا۔ لیکن مہوش کے نصیب میں اولاد نہیں تھی۔ اس معاملے میں وہ غمگین رہی۔ صابر ملک اسے بہت جانتا ہے۔ ایسا محبت کرنے والا شوہر کسی کسی کو ملتا ہے۔ لیکن مجھے ملتا ہے مہوش ابھی مڈر کو بھلا نہیں پاتی اور اس کا بہانہ وہ ہم سب کے ساتھ ساتھ صابر ملک سے بھی لے رہی ہے۔ بھی بھی مجھے ایسا لگتا ہے وہ جان بوجھ کر ماں نہیں بننا چاہتی اور یہ بہت بڑا ظلم ہے صابر ملک کی کوئی شناخت ہی نہیں رہے گی۔“

”خوشنودی ہو گئیں۔“
 ”جائے والا مریض نہیں لے لو۔“
 ”کسی شیش پر کاڑھی رکھی تھی۔ ایک دم ہی شور مچا تو وہ چونک کر رہ گئی۔“

”اس کے برابر میں بیک رکھا ہوا تھا اور نیٹ خالی تھی۔ بڑے میاں اٹھ کر بڑی بی سے کچھ حشر پھسہ کر رہے تھے۔“
 ”بیٹا ان کا شاید بچوں کو لے کر مریض سے اتر آتھا۔ یہ صابر ملک سے لگتی نظر آتی تھی۔ اس

نے چار شخصیات کر کے ہوسے کچھ ہاتھوں کو حرکت دی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سامنے بیٹھی لڑکی نے کچھ عبادت لگا دی تھی۔ اس کی یہ عبادت کی دلت سے نہایت عجیب لگتی تھی۔ پھر اسے کو دیکھیں تھا۔ پھر ٹوٹو کو نہ ”اوجھ۔“ کہہ کر کچھ پھیل کر رکھنے لگی۔ اس پر بھلا اس وجہ کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر نکلی اور آخری دیکھنے لگی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ آگے اسے لکھنے سے غور و فکر نہ کر سکتی تھی۔

”آپ کا اسے کچھ کر لیا کر لیں ہوگا؟“
 ”وہ اسے برا دیکھتی تھی تو نہیں کی یا یوں ہی ٹھکراتی تھی۔ اسے اٹھانے کا مظاہرہ کر سکتی کی؟ یا شاید۔۔۔ اسے ایک ایک اطلاع کے سامنے دیکھ کر نا معلوم کیا کرتی؟ ایسے ہی پریشان کن خیالات نے اسے آخر حد مراد سے کوڑا لگا تھا۔ بائیں سے تو وہ بھی آئی تھی مگر اب جب کہ سفر اٹھانے ہو گیا تھا اسے آنے والے وقت سے سہارا لگا تھا۔ بھوک، پیاس، نیند و سکون سب کچھ گھٹا تھا۔“

”گاری نے وہی دن تمام لوگ جو پہلے اترے تھے اوپر چڑھنے لگے تھے۔ وہ بھی سب سے آخر میں آئی تھی۔ ایک عرصہ تک وہ شوہر طرف نہیں لگتی تھی۔“
 ”سفر جاری تھا۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سامنے رات پر امن و سکون کی فضا قائم تھی۔ لڑکی بڑی بڑی بھری نگاہوں سے چوڑی چوڑی دیکھ رہی تھی لیکن وہ کس کو یا سب سے ہی ناراض بیٹھا تھا اور کسی کی طرف ایک ٹکڑا دینا بھی اسے گوارہ نہیں تھا۔ چارویں طرف کوئی نہ تھا۔ وہ بھی اس کے پیروں سے ہیوں تھی اور لڑکی کی نگاہیں مہوشی کے اس کے وجہ پیرے پر اوجھ سیدھی کے ساتھ تھی و مریضی کے اثرات ہو یہ وہ گئے تھے۔ پھر وہ اٹھ کر اوپر پر پڑھ کر سونے چلا گیا تھا۔ مہوش کی آنکھیں موند کر پڑ گئی۔“

”نا معلوم کس سے نیند اس کی آنکھوں میں شعلات سے اتر آئی اور پھر عجیب سے شور سے اس کی آنکھیں کھلی گئی۔ نا معلوم کون سا شخص تھا جہاں کاڑھی رکھی تھی۔ وہ کھلی آنکھیں لگا کر وہاں ڈرا جھانکے ہوئے والا وہ

مردوب نو جوان لڑکوں پر مشتمل تھا۔ بلند قد تھے اور پھر
 انگلیوں کی لمبی ڈھلتی دھلتی اور ہار کی نما دھلتی۔ گاڑی
 نے رفتار بڑھا دی تھی۔ وہ خاصی بد مزاجی سے نہیں بھیل کر
 بیٹھ گئے تھے۔ اس کو ایک ہی دم ہی گھبراہٹ ہوئے تھی۔
 تھڑکی سے پتھک کر بیٹھنے کے باوجود اس کا شانہ اس
 اپنے کے کے بازو سے لمس اور ہاتھ وہ جتنا سمت رہی
 تھی وہ اس قدر ہی اس کی طرف کو کھسک رہا تھا۔
 "اور ہو کر بیٹھے آپ۔" ہاتھ غراست اس بد مزاج
 لڑکے کو کوئی پڑا۔
 چھوٹے دروازے ٹھونک کی جانتی تھی سے وہ گھبرائی۔
 پریشان اور کچھ تکی کا عنصر ہے آواز بھرائی تو وہ چونک
 اٹھا تھا۔ اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا تو بیٹھے
 لڑکوں کو براہمن پایا۔ دو لڑکی تھیں وہ دو لڑکی بھور باہا
 (کیونکہ لڑکی گھنوں کے سفر کے دوران بھی وہ خاموش
 بیٹھی تھی۔ اپنے برابر میں بیٹھے لڑکے سے مخاطب تھی)
 لے پھر میں بیٹھ لیکن کا اندازہ کر کے اس کی پیشانی پر
 ہتھکوں کے جاں بڑھ گئے تھے۔ وہ اندھ کر بیٹھ گیا۔
 "کیوں دوڑ ہو کر نہیں؟ کیا کالے لگے ہوئے
 ہیں ہم میں؟" حسب معمول وہ لڑکے اسے لٹھا اور
 گھبراہٹ ہو کر کفر فری ہونے لگے تھے۔
 "اس کے کے بات مزید بڑھتی۔ وہ بیٹھے اتر آیا تھا
 اور اس لڑکے سے سیٹ خالی کر کے لگا ہوا تھا۔
 "ہم تو شہنشاہ ہیں مہاراجہاں میں گئے سو بیٹھے گئے۔
 آپ کو اب سیٹ خالی نہیں ملے گی۔" اس لڑکے نے
 خائستہ اسٹائل سے کہا تو اس کے ساتھیوں نے وحشیانہ
 قہقہے لگ کر ہنسیاں بھاریاں نہایت دوست کی بات کی تھیں
 کی تھی۔ جولیا ٹھونک نے اسے گردن سے پکڑ کر
 ایک جھٹکے سے اٹھا کر دوسری سیٹ پر پھینک دیا پھر
 مہاراجہ اور اپنے دو بیٹوں بہت دھک کر ڈھمکانے سے بیٹھے
 گیا۔ اس صورت حال سے مہاراجہ کا رنگ اڑ گیا تھا کہ
 اب لڑائی کا اندیشہ تھا۔ وہ تعداد میں چار تھے جبکہ وہ تنہا
 اور پھر اس کی بھرت کی آئینہ انداز ہی جب اس نے اس
 لڑکے کو جھٹک کر بیٹھنے اور کہتے ہوئے دیکھا۔
 "کوئل دن یاد آ رہا تو آپ کو تاپ کے فائدہ لگ رہے۔

ہیں۔" وہ "اس لڑکے کے لیے میں جتنی سزا دے
 تو صلیب بھی۔ اس کے ساتھی بھی خائستہ متڑک رہے
 تھے۔ پھر کچھ دیر میں ہی ان کے درمیان بے انگلی اور
 دوستی کی لٹا قائم ہوئی تھی۔ مہاراجہ کو بھی اب وہ لوگ
 بہت اچھے آدمی سمجھ کر پکار رہے تھے۔
 وہ لوگ کھانے پینے کے بہت شوقین تھے۔ سارا
 راستہ کچھ نہ کچھ کھاتے رہے تھے۔ کوئل ڈرگس چائے
 سے بھی کھانا چارہ تھا۔ وہ ہر بار مہاراجہ سے بھی اصرار
 کرتے لیکن وہ خاموشی سے انکار کر دیتی۔
 اگر اپنی انکسین پر کھانے دیکھا بھائی کو دیکھ کر
 احمیان کا سا لپٹا۔
 "میں آج سب سے بہتر لڑکے رہی تھی۔ وہ اپنا بیگ لے
 کر کھڑی ہوئی۔ حسب کہ وہ لڑکے بھی ٹھونک سے
 ہاتھ ہٹا کر گیسٹ کی طرف بڑھ گئے تھے۔ وہ بیگ
 اٹھائے سن کھانے آنکھوں پر لگا رہا تھا۔ مہاراجہ نے
 کھڑے ہو کر چارہ اچھی طرح کھوڑی اور ایک حصہ
 لے کر چھتے کے گرد اس طرح پھینکا کہ صرف آنکھیں
 نظر آ رہی تھیں۔
 "جب بندے میں اپنی حفاظت کی طاقت، موصلا
 اور جرات نہ ہو تو کھر سے تھانیں لکھا جائے ورنہ کڑور
 وغیرہ وہ ہے حوصلہ فروگے لیے بھیج بھی "شر" بن جاتی
 ہے۔" وہ صابر بھائی کو کپار ٹھنٹ میں داخل ہوتے
 دیکھ کر آگے بڑھ رہی تھی جب وہ اس کے قریب آ کر
 اپنی لمبیر و تنیدہ آواز میں گویا ہوا اور اس کے ہتھک
 سے باہر نکل گیا۔
 "ایلو! آگے تم ۹ ایک دن بھی مزید نہ گوارہ نہیں
 کیا کرتے؟"
 "گیا کرتا ایک دن اور ایک گریہ" وہ مخصوص
 جڑ جڑ سے ہاتھ پیراری سے گویا ہوا اور سرگرمی کی پشت
 سے لگا کر جڑ جڑ پر چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔
 "یعنی اس بار بھی ناکامی نے نہیں "وہیکم" کہا
 ہے۔ خیر اور آید درست آید۔ تم پریشان مت ہو
 کاشمالی انسان کا سرخسر سے بلند کرتی ہے تو ناکامی اس

کے راستے ہزار کرتی ہے۔ اسے آگے بڑھنے کی لگن و
 انگ۔" جو پیدا کرتی ہے۔"
 "مجھے وہی جان کی طرح تسلیاں مت دو۔ کافی
 منگواؤ کھانا دینا دینی کے۔"
 "لو کے ہائی لارو۔" جسوں اپنی جلدی آتے کی کیا
 ضرورت تھی؟ کچھ دن مزید کوشش کر دیکھتے۔" اس
 نے چڑا کر اس کو اندر کام پر آ کر روپے کے بعد ٹھونک
 سے کہا۔
 "جب اطلاع پر لپٹ بھی ہلکے میں خود وہاں
 معلومات کر کے آیا تھا وہاں کوئی کھوئی نہیں ہے تو میں
 پھر بھی خارج کرنے کا روادار نہیں ہوں۔"
 "نہ ہو آج کل دیر سے آ رہے ہیں، تم کو خاصا
 انتظار کرنا پڑے گا۔"
 "کیوں؟ خیریت تو ہے؟" اس نے آنکھیں
 کھول کر بے ساختہ پوچھا۔
 "ان کی پیچھے آج کل کھینکے بھی ہوئی ہیں تو وہ
 آزادی کی زندگی گزار رہے ہیں۔" راجیل نے حسب
 عادت شوشی سے کہہ کر خود ہی قہقہہ لگایا تھا۔
 "شت آپ، اپنی رپورٹ کے ساتھ تھراپی بھی
 رپورٹ دینی پڑے گی مجھے۔"
 "مزید اترنے کچھ بھی نہیں کھایا ہے۔ چلو شاپن
 کھانا کھاؤ۔ اس طرح خالی پیٹ کب تک رہو گی۔
 تیار ہو جاؤ گی۔"
 "صابر بھائی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ آپ کی کا
 روئے مجھے یہاں دیکھ کر معلوم کیا ہوگا۔ انہوں نے
 بہت جلدی سے تاکید کی کہ ہاتھ سے باہر بلا ضرورت
 نہیں لٹکھو ورنہ کسی سے زیادہ فریڈ شپ بڑھاؤ۔
 مجھے یہاں دیکھ کر تو وہ۔"
 "تم ان بیٹا آپ کی آپنی زبان کی گرومی ضرور
 ہیں مگر طبیعت کی بہت اچھی ہیں۔ آپ اور ان کی اس
 ہیں خاصا فرق ہے اس لیے وہ آپ پر بڑی مہین
 ہونے کے حوالے سے معمولی سا ڈر رہی ہیں۔ اب
 کچھ غصہ ہوں گی پھر آپ خود دیکھنا وہ کس قدر نرم و مل

ہیں۔ میں کھانا مانی فورن کے ہاتھ کھرے میں ہی بیٹھ
 رہا ہوں۔ کھا کر بے فکر ہو کر سو جاؤ۔" اس میں خود سب
 کچھ سنبھال لوں گا۔ اوکے۔ گڈ نائٹ۔"
 صابر بھائی اس کے سر پر ہاتھ چھپتا کر کمر سے
 نکل گئے اور وہ اندھنوں و گھروں کے بھور میں
 پھراے گی۔ دوپہر کو اس نے روتے روتے آتی تھی
 خوب "دور" جگہ میں قدم رکھا تھا۔ صابر بھائی نے
 حد سے زیادہ خوف زدہ دیکھ کر کہا تھا کہ ابھی تھراپی
 آ رہی ہو رہی ہیں، وہ بے فکر ہو کر کمر سے میں آ کر
 کرے اور کھیتی اس کی کھیتی آتی اس کی راکھیں
 تھیں انتظار کر رہی ہوں گی۔ فوراً ہی راکھ ہوئی۔ صابر
 بھائی نے تباہ کردہ مہوش آپ کی لاش میں اسے لایا
 تھ تو مارے خوف کے وہ حسب سے اب تک بے حال
 تھی۔ کوشش کے باوجود موتی بھی اور صابر بھائی کے
 از حد اصرار کے باوجود نہ کھانا کھایا نہ جانے ولیم
 پڑا۔
 دوپہر سے شام اور شام گوارہ جانے کے بعد اسے
 صابر بھائی نے آکر بتایا کہ آپ اپنی کسی کھڑ فریڈ
 کے ہاں پارٹی نہیں کی چون چھان سے ان کی واپس
 رات گئے تھان ہی ہوئی اور وہ شام تک آپ کو کھانا بچھا کر
 سنا ہی لیں گے۔
 "لی لی لی! کھانا کھاؤ۔ آپ خواہ بخوار پریشان
 ہو رہی ہیں۔ ہمارے ٹیم صلیب بہت اچھی ٹورٹ ہیں
 وہ آپ کو کچھ کر خوش ہوں گی۔ ایک لیکن دوسری ہاتھ
 کو کچھ کر خوش ہوئی ہے کہ مجھے آپ کھا کھاؤ ٹیم
 نے کرم روتہ کے لڑائی ہوں۔ کھانے کے ہو
 دودھ کی کر سو جاؤ۔ سحر سے لٹک کر آ رہا ہو۔"
 "نورن شاید قابل اعتماد رہے گی جوہر بھائی کی
 رہائی اصل صورت حال سے واقف تھی اور خاموشی
 پر اعتماد و تیز و طرار لگ رہی تھی۔ مہاراجہ نے خود کو حالات
 کے حصار سے پرچھوڑ دیا اور اشتہا اختیار فرماؤں سے
 منہ کی شام کی طرف متوجہ ہوئی۔
 "میں وہ معمول سے بہت کم بھڑا رہو گی تھی۔ نورن
 اس کی خدمت کے لیے موجود تھی۔ ٹاٹے سے لار

ہو کر اس نے بالوں میں جھانک لیا۔ پھر بالوں پر ہاتھ کر لیا۔ اس کی ہونٹیں کھڑکی کے دروازہ پر زور دیا۔ آواز سے کھل گیا اور غصے سے سرخ چہرہ اٹکھڑا۔ آنکھیں لے آسانی باقی میں بیوی آئی۔ وہ جادو کا انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

”میں کی اجازت سے آئی ہوں تم یہاں؟ میں نے کہا تھا کہ میری اجازت کے بغیر باہر سے نہ آؤ۔“
 ”میں تو بالکل بھریوں تم یہاں؟“
 ”میں نے وحشت زدہ انداز میں آگے بڑھے کہ اس سے رخساروں پر پتھر کی بارش کر رہی تھی۔“
 ”میرا دل تو خوفزدہ ہو گیا تھا۔ وہ تو بالکل جھوٹا ہی نہ کر رہی۔ چار پتھر مارنے کے بعد انہوں نے کمرے میں موجود شیشیوں کو توڑنا شروع کر دیا۔“

”میں پھوڑوں کی اس وارزون کی جی کو۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”جب میں نے کہا تھا میری اجازت کے بغیر میرا باہر سے نہ آؤ۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کی اجازت ہے۔“

”وہ تو پھوڑوں کے ساتھ ساتھ بری طرح چل رہی تھی۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“
 ”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

”میں نے کہا کہ اس کا مقدمہ کر دوں گی اس پر۔“

آميز ہوا کہ اس کے دل میں جوانی کے لیے محبت و اپنا جیت تھی، وہ رفت رفتہ ختم ہونے لگی۔ اور محسوس ہونے لگا کہ وہ ان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ ورنہ شگے رشتوں میں نفرت و عناد کی برق بھی ٹپک سکتی جانی۔ بڑی بہن کی ذات میں بھی شغفت و محبت کی چاشنی محسوس ہوتی ہے جو آپلی کے رویے میں ہرگز نہ آتی تھی۔

ان کے برعکس صابر بھائی شگے بھائی سے براہ کرم محبت کرتے اور خیال رکھتے اور خصوصاً آپلی کے پاس اسے تنہا نہیں چھوڑتے۔ ان کے مزاج اور زبان سے وہ بھی خائف رہتے تھے۔ اور اسے بھی تا تکید کرتے کہ وہ آپلی کے پاس تنہا نہ جائے کیونکہ وہ غصے میں کچھ بھی کر سکتی ہیں۔

موسم خوب صورت تھا۔ چھائی شام میں سرسبز بادلوں کا گھس بھلا لگ رہا تھا۔ ہوا میں فرشتہ بخش خشک تھی۔ سرسبز لانا میں گلاب اور موگرے کے پھولوں کے پودوں کے درمیان پھیر پریشانی دو گرم گرم بکڑوں، موسموں اور چائے کے ساتھ ساتھ موسم کے صحن سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھی۔ آپلی ابھی کچھ دیر قبل ہی تیار ہو کر اپنی کار میں بیٹھ چکی تھیں۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا اور وہ ابھی کس وقت ہوئی تھی اس سے وہ ناواقف تھی۔

صابر بھائی آج کل بڑی تھے۔ ان سے بھی بہت کم ملاقات ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ وقت نوران رہتی تھی جو اس کی سرور و قیاس کا خیال رکھتی۔ کئی بار وہ اسے شاہنگ پر بھی لے کر جاتی (آپلی کی غیر موجودگی میں) اور مزے مزے کے قہقہے سناتا کہ اس کی بے بیانیوں کا کڑم کر دیا کرتی تھی۔ ایک بات اس نے شہادت سے لوٹ لی تھی۔ وہ آپلی کی موجودگی میں سائے کی طرح اس کے ساتھ جی رہتی اور آپلی کے گھر سے نکلتے ہی وہ بھی چلی جاتی تھی۔ پھر رات نیند نہ آنے تک وہ تنہا ہی اس سے بڑے بڑے کمروں اور لمبے لمبے بالوں والے گھر میں چکرانی چھری کرتی تھی۔ حسب معمول آپلی کے گھر سے نکلتے ہی نوران نے

بھی اجازت لی اور وہ تنہا بیٹھی لان میں اپنے وقت کو یاد کرنے لگی جب اپنا اماں زندہ تھے اور اسے ہم سے گھر میں خاص خوشیاں تھیں۔

سرکشی بادل گھر سے ابڑا کود ہو گئے تھے اور بگی پھوار تیز بارش میں تبدیل ہو گئی تو وہ اندر کمرے سے نکل آئی۔ مغرب کی ٹھانڈی سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی آپلی کو دیکھ کر اس کا دل دھک سے رو گیا کہ ان کا انداز بڑا پرانہ تھا۔

"خاموش، کوئی آواز نہ نکالنا مگر ہے۔" انہوں نے آہستگی سے کہتے ہوئے دروازہ لاک کر ڈالا اور تیزی سے تمام کھڑکیوں کے پردے گرا دیے اور دروازہ کھولا اس کے لیے بہت جھرت اٹھانے کا قابل یقین تھا۔ مہوش نے کم مہم گھڑی خوفزدہ کی مہم کا کو سینے سے لگا کر اور اس طرح رولی کہ اس شدت سے وہ بالامال کے مرنے پر بھی نہ روئی تھیں۔

"آپلی۔۔۔ آپلی! کیا بات ہے؟ صابر بھائی ٹھیک ہیں؟" ان کے اس طرح رونے سے اس کے ذہن میں یہی بات آئی تو متحش ہو کر بولی۔ "کاش، اسے کچھ ہوتا لیکن ایسے لوگوں کی ریز بہت دراز ہوتی ہے۔ میری بات سنو۔ تم بھاگ جاؤ یہاں سے۔ جتنی بھی جلد ہو سکے یہاں سے چلو جاؤ۔"

"کہاں جاؤں میں؟ آپ کیوں جا رہی ہیں میں یہاں سے چکی جاؤں؟ جاؤں تو جاؤں کہاں؟ آپ کے اور صابر بھائی کے علاوہ میرا ہے کون؟" انہوں نے آسوصاف کرتے ہوئے کہا۔

"آپلی! آپ اتنی گھبراہٹ میں دل کیوں ہیں؟ آپ کے سینے میں دل نہیں ہے؟ جہد بات نہیں ہیں؟ ان کی محبت و رفاقت کا احساس نہیں ہے؟" "جہد بات محبت، رفاقت اور احساس یہ سب زندگی لوگوں کا سرمایہ حیات ہوتے ہیں۔ مردہ لوگ ان احساسات سے عاری ہوتے ہیں۔ میں چھٹی پھرتی

اور سو لیٹ سسٹر۔ میں اس راز مرگئی تھی جب ان کی زندگی میں کراس کی دلیلیز پر چڑھی تھی۔ آپ بڑے کو بھلا نہ رہیں آپلی۔ اس لیے شاید یہاں جیسے بہترین، اگر ضرورت پڑے، والے خیال کے والے شوہر کو وہ مقام نہیں دیا جو ان کا حق تھا۔ اس نے مہوش کے رنگ بدلنے پر سہمے ہوئے کچھ کر خوف انداز میں کہا۔

بڑا، ہاں میری حیات کا یہ بھی ایک کڑوا سچ ہے کہ اس وقت میرے پاس وقت نہیں ہے جو تمہیں حقیقت بتاؤں۔ اور یہ تو صابر کی کار کا ہارن ہے۔ باہر سے آئی مہم سی آواز سے انہوں نے ایک کمرے میں صابر کو روک دیا۔ شکستے سے بارش کی بارش کی جگہ کی جاتی تھی۔ ہیلڈا جس صاف ظہر آ رہی تھیں۔

انہوں نے میری بات غور سے سنی۔ ہر کھینک شے سوتا ہے۔ کچھ لوگ اس معاشرے میں ہانک زدہ ہوتے ہیں۔ کچھ ہوتے ہیں۔ جو ہوتے ہیں وہ نظر میں آتے اور جو نظر آتے ہیں وہ ہوتے نہیں۔ ان کے گھارے وہاں میں انتہائی تشدد ہوتا ہے جتنا دل کے ہونے اور رات کی تاریکی میں۔ لیکن احساس ہے ہم سے شدید ترین بدظن و تالاس ہو۔ بلکہ شاید لغت کو لگتی ہو۔ لیکن اس کا دکھ نہیں ہے لیکن ایک التجا ہے۔ یہاں تم ایسے کان اور آنکھیں کھلی رکھو۔ اپنے دروازہ کھلی ہوئی راز مرگئی کو بھینک کی کوشش کرو۔ لیکن خدا را جو کچھ کھینک سے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ تم یہاں سے کسی طرح سلامت ال جاؤ۔ صابر کو بالکل بھی نہ بتانا کہ میں یہاں آئی تھی۔ انہوں میں انہوں نے عجیب انداز میں یہ سچہ ہوا اور تیزی سے بھاگتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ وہ ان کے عجیب و غریب رویے اور ابھی ہوئی تشدد سے خود بھی الجھ گئی۔ خصوصاً ان کے جھلے سلامت پر دو چور ان رویے کی اور ابھی وہ حیران و پریشان سوچتی رہی تھی کہ دروازہ کھول کر صابر بھائی اندر داخل ہوئے۔ ان کے انداز میں ہکا بھکا و شہت سی تھی۔

"مہوش کہاں ہے؟" انہوں نے جاتہید اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے انتظار کیا۔ "آپلی! وہ تو شرم کو کھینک گئی ہیں۔" انہوں نے معلوم آپلی کی باتوں کا اثر تھا۔ اس کے اندر کا احساس کہ اس سے اگلے اگلے جھوٹ بولا۔ "اور، یہاں نہیں آئی ہو؟" میرا خیال تھا وہ یہاں آئی ہیں۔"

"آپ تو سب جانتے ہیں صابر بھائی۔" ان کے چہرے پر مخصوص ملکوت و عمارت چھائے ہوئے کچھ کراس کے اندر بھی کسی اثر بڑکا احساس جاگنے لگا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں ایسے صاحب زادے کے مزاج۔" انہیں یہاں آئے ایک ہفت ہو گیا ہے۔ اس نے بھوکے صدمہ کرنے کا نام نہیں لگایا۔ اسے اتنی تو جھلے ہوئی کہ ہاں کو نہ سنی مگر باپ سے تو سنے پھر کے لیے من لیا۔ "فائدہ دیکھنے والوں میں ہر ش کرتے ہوئے بڑے ظہر سے کچھ میں نیوز ہیچ کا مطالعہ کرتے راجیل سے کہا۔ جو اب وہ انہیں علامت پھرتی لگا ہوں سے کچھ کر رہ گئے۔

"خاموش! کیوں ہیں؟ کچھ فرما ہے۔" بیٹے کی بات پر خاموش ہیں۔ اگر یہی معاملہ میرے سینے میں سے کسی کے ساتھ ہوتا تو میری زندگی تو آپ بھرتی کھینک رہے طعنوں سے۔ شہو کس کے ذکر پر کس قدر کرا سے بیٹھے ہیں۔"

"تمہارے سامنے دوسرے کو بولنے کا موقع مل سکتا ہے؟" وہ چڑ کر گویا ہوئے۔ "ابا بابا۔ وقت اور مردے بدلنے میں کوئی فرق نہیں لگتا۔ راجیل صاحب ابھی میری اس تشکوہ اور کسی نوبی پیدا ہو کر آپ مجھ سے رشتہ جوڑ بیٹھے تھے۔" وہ صبر کر ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"مجھے ڈر ہے کہ تم سے بہتر ہے جن میں یہ کر اماں کی بدکرد اور تنہائی اطلاع کے لیے عرض ہے شہو کس مجھ سے اسی دن کی چکا ہے جس دن ہم انگلیز سے آئے تھے۔"

آپلی ملک سے باہر چلی گئیں۔ مجھ سے ملے
 بچے۔ آپ کی آپلی موٹی و من ہیں۔ دو کئی کی پروا
 یا فکر نہیں کرتیں۔ آپ کو بھی ڈر ہے ہونے کی
 ضرورت نہیں ہے۔ آج ایک پارٹی میں چلے گئے۔
 خوب اچھی طرح سے ڈریس اپ ہونا۔ بہت بڑی
 پارٹی ہے۔ میں بالکل نہیں سٹوں گا۔ کب تک
 کمرے میں قید رہوں گی؟ لائف انجوائے کرنا یہ سب
 عمر بھر کی بات ہے۔ سوئی کی۔ وہ اس کے انکار کو نظر
 انداز کر کے تیار ہونے کا حکم دے کر چلے گئے۔

وہ صبح و عمر بھر ہال رہیں۔ یہ بنگلہ گار با تھا۔ بے
 تحاشہ خوشبودوں سے فضا ملک دہی تھی۔ اس نے مسٹر ڈ
 قمری تین سوٹ میں بلوں صابر ملک کے ہمراہ بیٹھتے
 ہوئے اندر قدم رکھا تھا۔

ان سے ملایہ میرے بہت کلوز فرینڈ ہیں۔ اسد
 لاروٹی۔ برٹس ورلڈ کے بے نان کلک۔ صابر ملک
 نے ایک قدرے پست قد و بھاری فٹنگ جسم کے مالک
 شخص کی طرف بڑھ کر بے تکلف انداز میں تعارف
 کر دیا۔

وہ ابھی وہاں جیسا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔ یہ
 بھینا تھوڑی سی سالی تھی۔ آدھے گھر والی ہیں اور کیا خوب
 ہیں۔ اسد لاروٹی صاحب نے پرکشت چہرے میں
 اندر کو دھکی چھوٹی آنکھیں پوری طرح کھولی کر
 جائزہ لیتے ہوئے عجیب غریبے بنے سے کہا۔ وہ جو
 عام متوسطہ بڑھاپے کی پروردہ تھی۔ جہاں ہر وقت پاپ
 بھائی کے آگے سر اور خم دے پنے سے ڈھک کر رکھتے
 کی تربیت دی جاتی تھی کہ ماں کے سامنے بھی وہ پاپ
 لباس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ کئی بار وہ جوائنڈ پر ہیں
 رقص فراک سوٹ میں، ہم رنگ جیوری سیکے ساتھ سبز
 ایک اپ ہیں اپنے اندر وہ عطا و بکلیں پاری تھیں جو اس
 کی کھلیست کا حصہ تھا۔ صابر ملک اسے خود اس شہر کے
 مشہور ترین پارٹی میں لائے تھے اور اس سے کہا تھا کہ وہ
 یہ پیش کے کام میں بالکل بھی مداخلت نہیں کرے گی۔

ان کے نرم لہجے میں سچو ایسی قطعیت تھی کہ وہ خاموش
 بیٹھی رہی پھر اس کے جسم میں دوسری ہی جہش ہوئی
 تھی۔ ایک مرتبہ جب روٹیشن نے اس کی آنی پر کوچہ
 تھا دوسرے اس کے لیے ہالوں کو نجارت سے دردی
 سے شامل تک کاٹ ڈالا تھا۔ اسے مزاحمت کرتے
 دیکھ کر صابر ملک چیخ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے
 تھے اور وہ بے بسی کے احساس سے رو رہی تھی۔
 یہ اعلیٰ طبقے کے لوگوں کی عقل تھی جہاں مرد تو تھری
 تھیں سوئس میں بلوں پاؤں میں اپوزیڈ سکار لپے تو
 کھنکھوتے اور عورتیں تھیں کی دوڑ میں سب سے آگے
 اگل جاتے اور ماڈرن کنواٹے جانے کی خواہش میں
 ایسے ایسے لباسوں میں بلوں تیلوں کی طرح کھنکھلاتی
 پھر رہی تھیں کہ عورت کا عورت پن عریاں ہو کر رہ گیا
 تھا۔

صابر ملک بہت جوش و خروش سے اسے اپنے
 دوستوں سے ملواتے پھر رہے تھے جو سب ہی اس
 ملک کی محفل و اعلیٰ سوسائٹیاں تھیں۔ دولت و شہرت ہمیشہ
 جن کی پاندی رہی ہے۔ صلیب کو لوزر سے منگے بلوں
 والے جن کی آنکھوں سے چٹکتی ہوں کے شرارے
 چہروں پر چھانی حیار اندھ چمکے اسے لگے۔ ہاتھ گویا آدم
 غور و دندوں کے درمیان گھر گئی ہے۔ صابر ملک اسے
 چیخ پر اٹھا کر سامنے کھڑی خواتین کے درمیان قہقہے
 لگا رہے تھے۔ اس وقت سب ایک انداز میں قہقہے
 لگاتے صابر ملک بالکل بدلے ہوئے لگ رہے تھے۔
 "یا اللہ! یہ سب کیا ہے؟ میں کیا ہنسنے لگی
 ہوں؟"

"یہ تو میں ہر گز نہ کہہ سکتی ہوں آپ کی؟" مسٹر
 اسد لاروٹی نے اس کے بڑا بیک صوفے پر بیٹھتے
 ہوئے خاصے سے تکلف انداز میں اس کے شانے پر
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ ان کی اس جہالت پر کایا
 اٹھی۔ کوئی لڑکھانہ تھا تو اسے چھوٹ کر بے آواز قہقہوں پر
 گری گئی۔ سب وہاں ارد گرد سے بے خبر اپنے آپ
 میں مغمم تھے۔ ان پر کسی سے توجہ نہ دی گئی۔
 "آپ نے بتایا نہیں؟ جناب من! ابھی ہمیں بھی

حالت کا موقع دیجیے۔" انہوں نے اس کا سر ہاتھ
 دھاتے ہوئے جھک کر دیکھ لکھے میں کہا۔
 "کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" اسی لمحے صابر ملک
 وہاں آ گئے تھے۔ اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگے صابر
 ملک کا بے جس انداز دیکھ کر۔ درندہ سوچ رہی تھی وہ
 اسد لاروٹی کی حرکت پر اس کا حشر کر دیں گے مگر۔
 "ہم آپ کی سالی کو اپنی گھر والی بنانے پر
 حاضر کر رہے ہیں۔" انہوں نے قہقہہ لگاتے ہوئے
 اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دھاتے ہوئے اس انداز میں
 کہا کہ اس کا لنگ الگ الگ سلنگ تھا۔

"صا۔ صابر بھائی! یہ۔۔۔" اس نے
 اسد لاروٹی و متوجہ انداز میں ان کی طرف دیکھا اور جھٹکے
 سے ان سے ہاتھ پھیرا کر کھڑی ہوئی۔
 "ادو۔۔۔ کم ان بے بی۔" پورا دردی کی گرل۔
 اسد لاروٹی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ مگر میں ہاتھ میں
 لے تو وہ سوچ رہی جاتی ہے۔ تمہاری تو قسمت دمک بھی
 ہے۔ صابر ملک کی سرخوشی اور اس کی کیفیت سے بے
 پائی اسے شاکہ لگ رہی تھی۔

"ہم خوش نصیب تو جب ہوں گے جب یہ ہمیں مل
 جائے گی۔"
 "ارے کیوں نہیں۔ بس آپ کو زیادہ انتظار نہیں
 کرنا ہوگا۔" صابر ملک ان کا بارو پکڑ کر کھڑے ہو گئے
 اور آگے کی جانب بڑھ گئے۔

"ارے کے ڈیرا میں ابھی آتا ہوں۔" وہ جاتے
 جاتے بھی اٹھی سے اس کے رخسار کو چھو کر کہتے گئے۔
 ہال کی کچھ لائٹس یکدم آف ہو گئیں اور مدھم
 روشنیوں میں ڈانکنگ فلور پر قہقہے و جود پر اسرار سے
 لگ رہے تھے۔ صابر ملک، اسد ملک کے ہمراہ
 بلوں کوں میں گم تھے۔

وہ اندر کی وحشت سے گھبرا کر غیر محسوس طریقے
 سے باہر ایک الگ تھلک پر سکون گئے میں آئی۔
 اسے حالات کے ساتھ بدلتے چہروں سے خوف آ رہا
 تھا۔ کسی نے اچانک ہی اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا

تو بری طرح گھبرا کر مڑی۔
 "دش۔۔۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری دوست
 ہوں۔" اس کے سامنے پر ٹیل سار تھی۔ بلوں
 نہایت خوب صورت عورت کھڑی تھی۔
 "خاموشی پریشان لگ رہی ہو۔ گھبراؤ نہیں۔ میں
 تمہاری بہن مہوش کی دوست ہوں۔ میرے پاس
 زیادہ وقت نہیں ہے۔ کچھ بھی یہاں کوئی آگیا
 ہے۔ یہ میرا اندر کس ہے۔ کل کسی طرح بھی مجھ سے
 ملنا۔ اور کسی کو بھی معمولی سا شک نہیں ہونا چاہئے۔ اس
 نے ہاتھ میں دیا کارڈ اس کی جانب بڑھا۔ وہ بولے

آہستہ اور راز دارانہ لہجے میں کہا۔
 "م۔۔۔ میری کچھ کچھ میں نہیں آ رہا میں کیا
 کروں؟ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے وہیں
 رونا شروع کر دیا۔ بے در پے واقعات نے اسے
 ہراساں کر ڈالا تھا۔

"اسنو پڑ مت بڑ۔ سنبھلو خود کو۔ صابر ملک بہت
 خطرناک آدمی ہے۔ اسے کسی طرح بھی شک نہیں ہونا
 چاہئے۔" وہ تیزی سے سمجھا کر اندر کی طرف غائب
 ہوئی تھی۔ جبکہ اسے خود کو سنبھالنے میں خاموشی وقت
 ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد صابر ملک کو دیکھ کر اس نے
 آنسو صاف کیے تھے۔
 "کیا ہوا؟ کیا کیوں آ گئیں؟" وہ قریب آ کر
 بولے۔

"اندر میری طبیعت گھبرا رہی تھی۔"
 "او کے۔ اب تو کسی پارٹی میں آئی رہو گی۔" خود
 ہی عادی ہو جاو گی۔" وہ اسے لے کر گھر آ گئے تھے۔
 وہ تمام رات سکون سے سوئی تھی۔

"پلیز نہ ڈاؤن۔" ڈاؤن میٹر آف ایلی جلی نمر
 آفتاب خان نے شوکل سے کہا۔
 "بھئیٹس سر۔" اس نے کمری پر بیٹھتے ہوئے
 خود باندا اندر لائٹس بند کر دیں۔
 "کہاں تک چلی آپ کی انوسٹی میٹر؟"
 "کام تقریباً تیار ہے سر۔" ہمیں صرف موقع کی

تلاش ہے۔ یہ گروہ بالکل جدا گانہ و نفوس پر وقت انوار میں کام کرتا ہے اور اس کے سرگرم رکن بہت اعلیٰ و معین ہستیاں ہیں۔ یہ لوگ لڑکیوں سے قسمت کر رہے ہیں، بچہ پریشان حال لڑکیوں کو آسان چاہ و پریشانی سمیٹ کر فی الحقیقت اپنے جال میں پھانستے ہیں۔ ان کو دولت و راحت کی چٹاب لٹک کر غریبہ بیٹھاتا ہے۔ ان میں کچھ ایسی بے وقوف لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جو راقول رات دولت مند بن چاہا جانتی ہیں اور بچہ لڑکیاں ان کے ہاتھوں گھس کر بے بس و بچہ رو جاتی ہیں اور ان کے اشیاء کو چٹا پھتی ہیں۔ ہر کام ان کی مشق کے مطابق کر لیا ہے۔ ان سے تمام غلط کام اس قدر منظم طریقے سے کر وائے جاتے ہیں کہ ان کے جسم ہی نہیں رو میں بھی مردہ و بے حس ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اڑا بھی چاہیں تو نہیں اڑ سکتا۔

”ان لوگوں کا طریقہ واردات بہت گھٹیا و نفرت آمیز ہے۔ ایسے بے ضمیر، اخلاقی یا بحث لوگوں کو سرعام بھائی دے کر عبرت کا نشان بنانا چاہیے تاکہ آئندہ کوئی ایسا گناہ نہ جرم کرنے سے اس ان لوگوں کا انہی م بار رکھ کر آگے قدم نہ اٹھائے۔“ آفتاب خاں کے کچے میں حقیقی غم و غصہ تھا۔

”اس گروہ کے چند اہم اراکین سے میں واقف ہو چکا ہوں اور انشاء اللہ بہت جلد ان تک پہنچ چاکوں گا۔“

”میری دعا میں آپ کے ساتھ ہیں۔ کوشش کرتے رہیے۔ کامیابی بہت جلد آپ کی منت کا ثمر دے گی۔ نہ صرف بہت سی معصوم لڑکیوں کو ہم اس ذلت و روائی کی دلدل میں گرنے سے بچائیں گے بلکہ ملک کو بھی ان ناموروں سے پاک کر دلائیں گے۔“

”شکریہ سر، آپ کی حوصلہ افزائی، دعا میں میرے لیے حیات بخش برہمائی ہیں۔ جلد آخری سانس تک لڑوں گا اور حق کی ہوائی۔“ شموئیل کے مضبوط کچے میں عزم و استقلال پائی تھا۔

”آئی ایم پراڈو آف آف جیو فیئر۔ اگر ہمارے ملک کے تمام طبقوں کے لوگ اس عزم، ہمت اور وطن کی محبت میں برسرِ شان اپنے فرائض ادا نہ کریں و دیانت داری سے نہ رہیں تو انشاء اللہ وہ ان دور میں کہ جبر و زور سے اعلیٰ سر نہیں روہا، ملک ہو گا۔“

”لو۔۔۔ وہ تو آج صبح ہیں جی۔“ وہ شخص جو کچھ تاک پر بھی نہ بیٹھنے و نہ تم جیسے بندے کو کس طرح گھٹنوں بٹھالیتا ہے۔ اس کے آگے سے نکلتے ہی میسرے لڑا کا مورلوں کی طرح ہاتھ اور پیدے چھاکر کہا۔

”میسے جیل کو درست کرو، میں جیسے رہتا ہوں ان کی جگہ پر نہیں۔“ شموئیل اس کے سامنے بڑی جیسے پر بیٹھنے ہوئے اٹھتے ہوئے بولا۔

”اگرناک پر بھی بیٹھ جاؤ گے تو بھائے تکلیف کے بغیر محسوس کریں گے۔“ وہ جیل کر بولا تو شموئیل نے سادہ سادہ اٹھا تھا۔

”شام میں تیار رہنا خاص کام سے چاہنا ہے۔“

دوسرے دن اس نے اس مہربان عورت سونیا ورائی سے ملنے کی بہت کوشش کی مگر اسے وہ کارڈ مل کر ہی نہیں دیا جس میں اس کا ایڈریس و فون نمبر درج تھا۔

”نورن ائم نے یہاں سے کوئی کارڈ اٹھایا ہے؟“

”ہاں۔“

”کہاں ہے؟ مجھے دو۔“ وہ پکار رہے تھے اس سے غائب ہوئی۔

”کارڈ میسرے پاس ہے۔“ اسی لمحے اندر آتے صابر ملک کے ہاتھ میں وہ کارڈ اچھک کر حیرت و خوف سے اچھل پڑی تھی۔ حالانکہ کارڈ اس نے بہت احتیاط سے چھپایا تھا۔

”یو اونٹ پالتے ہیں وہ دروازے بھی بند رکھتے ہیں۔ تم نے کس طرح کھول لیا کہ تم تم سے داخل ہو سکتے ہیں۔“

”نہیں باتیں کر رہے ہیں آپ صابر بھائی۔“

”سنو بڑی! عادت کے برخلاف ہم نے تم سے

میں موت کی جانب بڑھ رہی ہے۔ اب اسے زندگی کی طرف تم ہی پہنچ کر لا سکتی ہو۔“

صابر ملک نے استہزائیہ قہقہہ لگاتے ہوئے نئی اطلاع دی۔

”تم..... تم! بہت کہنے، دھوکے باز اور جھوٹے ہو۔ کیوں قید کیا ہے آئی کو تم نے؟ چھوڑ دو انہیں۔“

”اب اس کی زندگی اور رہائی تمہاری کارکردگی پر منحصر ہے۔ شام کو خفیہ پولیس کے دو آفیسرز آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک آفیسر شموئیل راجیل ہے۔ بہت ذہین، قابل اور خطرناک شخص ہے اور ساتھ ہی نوز کریکٹر، حسین چہروں کا شیدائی اس کی کمزوری ہے اور اسی کمزوری سے ہمیں فائدہ اٹھانا ہے۔ وہ شخص کچھ عرصے سے ہماری راہ میں بہت رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ اگر اسے ابھی سے کنٹرول نہیں کیا گیا تو آگے جا کر وہ ایسا اثر و حا بن جائے گا جو بغیر چبائے ہمیں نگل جائے گا۔“

”مجھے آپ کی کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ جھوٹے ہیں آپ۔“

”خفیہ موت۔ ملاؤں گا، تمہیں تمہاری چہیتی بہن سے بھی لیکن پہلے میرا کام کرنا پڑے گا۔“ انہوں نے شرافت کا لبادہ تار تار کر دیا تھا۔ ایک دم ہی بہت جھوٹے ہو گئے تھے۔ اس نے ہاں، ناں کا جواب نہیں دیا۔ ہچکچاہٹ سے روٹی رہی۔

”صاحب! اسد فاروقی کل سے کئی بار فون کر چکے ہیں۔ انہیں کیا جواب دوں؟ وہ بی بی سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔“ نورن کے انداز اور گفتگو دونوں سے ہی کچر پرن جھٹک رہا تھا۔

”صا..... صابر..... بھلا..... کی.....“

”نہیں، آج سے سب رعایتیں ختم، تم وہ کرو گی جو ہم چاہیں گے۔“

صابر ملک کی لبوں تک آنکھوں سے اہلٹی درندگی اور ہراسے سے ہویدا بربریت۔ وہ سراپا سنگی سے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس کے اندر دھماکے ہو رہے تھے۔ لوگوں کا ایسا روپ اس نے کہاں دیکھا تھا۔ بہت آسان و سادہ زندگی گزارتی چلی آئی تھی۔ تن کے اچلے، من کے سیاہ، شیطان فطرت والے لوگ۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ سب وہ خواب دیکھ رہی ہے یا حقیقت۔

”شام کو میرے کچھ مہمان آرہے ہیں، ان سے کس طرح پیش آنا ہے۔ اس کی پریکٹس تمہیں ریٹا کر دے گی۔ صبح رہا ہوں میں اسے ابھی۔ تم تیار رہو۔“

”میں بہت بے وقوف ہوں۔ اپنی بہن کو غلط اور آپ کو درست سمجھتی رہی۔ آپ نے کتنا سمجھایا تھا کہ میں کسی طرح بھی ہاسٹل نہ چھوڑوں۔ کہیں تنہا باہر نہ جاؤں۔ میرے یہاں آنے پر جو انہوں نے غصہ و تار و شکنی کا اظہار کیا تھا کتنا درست کیا تھا۔ اس کی وجہ اب میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ کاش ابھی آپلی مجھے جان سے مار دیتیں تو کس قدر اچھا ہوتا۔ لیکن میں اب بھی ایسا ہی کروں گی۔ اپنی جان دے دوں گی لیکن آپ کے اشاروں پر کھڑی نہیں ہوں گی۔“ اس نے نفرت سے صابر ملک اور مسکراتی نورن کو دیکھ کر چیختے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ ہاں، اس کو کہنا، انتظار کرے۔ آفیسر تھی۔

نے بعد اس کا نمبر آئے گا۔ اس سے بھی پرنس کے

بے سٹرکٹ سائن کروانے ہیں۔"

صابر ملک چلے گئے تھے اور نورن اسے خاموش

روانے کی سی میں لگی ہوئی تھی۔

"تم بھی چالاک و مکار عورت ہو۔ جھوٹ بول کر

آئی ہے یہ گمان کرتی رہیں۔ ظالم کو مظلوم و مظلوم

ظالم ظاہر کرتی رہیں۔ عورت ہو کر عورت کی دشمن

لگی ہو۔ کیسی عورت ہو تم۔ کیا تمہیں مرنے کا خوف

ہے؟"

"ہم مالک کے غلام ہیں۔ جو ہمیں حکم ملتا ہے وہی

ہوتے ہیں۔"

"تمہیں اس مالک کا خیال نہیں ہے جو بالکوں کا

مالک ہے؟"

"بی بی! اچھوڑو ان باتوں کو، جو صاحب نے بولا

وہ کرو۔ ورنہ یہ لوگ بہت ظالم اور شیطان ہیں جو

سے بغاوت کرتا ہے، اس کا انجام بہت عبرت

کرتے ہیں۔ تمہیں اس کا اندازہ مبوس بی بی کو

ہو رہا ہے گا۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی بلو شائس اور ریڈ

ٹ بلاؤز میں ایک حسین لڑکی اندر داخل ہوئی

تیز میک اپ میں اس کا حسن لشکر سے مار رہا

ہو۔ بیوی۔ بیوی نفل! اس بار تو ملک صاحب نے

کیا ہاتھ مارا ہے۔ کیا حسن ہے؟ لگتا ہے کوئی اپسرا

پر اتر آئی ہو۔ اس لڑکی نے مہکار کے چہرے

مہربان دیکھتے ہوئے بے ساختہ سناٹا کیجے میں

رہا بی بی! اس بہرے کی ابھی تراش خراش باقی

آپ کے ہاتھوں ہی اس کی چمک دمک بڑھے

نورن اس لڑکی سے ہنس کر بولی۔

ہاں۔ کیوں نہیں۔ تب ہی تو اس کی ہلکی سی ہلکی

نے بے بلایا ہے۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں خاموش چھٹی ہوئی

بڑے لوگ اگر وقت کی پابندی کرنے لگیں تو وہ

کھیا کر مکرراتے ہوئے نکلا۔

شوٹیل کا لہجہ و انداز

آج 54 کاٹھا

"نکم بخت کی کوٹھی دیکھو کیسے محل کی طرح بنا رکھی

ہے۔ حرام کی کمالی میں بہت برکت ہے آج محل۔ ہم

جیسے لوگ ایمانداری سے کام کرتے ہیں تو بھی اس

پر اسے وقت کے بنے چھوٹے سے بیٹھے سے باہر ہی نہ

نکل پائے جو بھی سر صاحب نے ترس کھا کر ہمیں دیا

تھا۔ عمیر نے سینکڑوں دم کا جائزہ لیتے ہوئے جے

کے لہجے میں کہا۔ وہاں کی ہر شے دولت و امانات کا

منہ بولنا ثبوت تھی۔ قالین، پردے، فرنیچر، پینٹنگز

وغیرہ اپنی قیمت کے گواہ تھے۔

"شٹ اپ۔ سوچو کچھ کر بات کیا کرو۔ حرام،

خلال میں تیز مت بھولو۔" شوٹیل نے اسے اچھی

طرح لہذا ذکر کر دیا تھا۔

"تم اب وقت دادا ہاں کی طرح ڈالنے رہا کرو مجھے،

آہ! مجھ غریب کی بھی کیا زندگی ہے؟ گھر پر بیوی سے

ڈانٹ کھاتے رہو۔ آہ! تو آقا ب سر کا ترنہ مجھ

پر ہی گرتا ہے۔ بلکہ وہ بھٹی اپنی نیکی سے جھڑکھا کر

آتے ہیں، وہ ساری کسر مجھ پر نکالتے ہیں اور ان

دونوں سے جو وقت بچتا ہے وہ تم پر دے دیتے ہو۔ میں

جاؤں تو جاؤں کہاں؟"

"اگر تم نے بکواس بند نہ کی تو میں تمہیں نہیں سے

اٹھا کر پھینک دوں گا۔"

"جاؤں تو جاؤں کہاں

سبھی کا کون یہاں

در بھرے دل کی زبان۔" عمیر کی زبان پھر رواں

تھی اور نفل اس کے شوٹیل کچھ کہتا۔ صابر ملک کے

بہراہ داخل ہونے والی از حد حسین و ماؤز لڑکی کو اندر

داخل ہوتے دیکھ کر دونوں ہی کھڑے ہو گئے تھے۔

"بیو آفیسر! کچھ لیٹ ہو گئے ہم، اس کے لیے

معذرت خواہ ہیں۔" صابر ملک ان سے مصافحہ کرتے

ہوئے خوش مزاجی سے گویا ہوا۔

"بڑے لوگ اگر وقت کی پابندی کرنے لگیں تو وہ

بڑے لوگ ہی کیوں کہلا سکتا۔" شوٹیل کا لہجہ و انداز

آج 54 کاٹھا

محل طور پر بدل گیا تھا۔

کہ۔۔۔۔۔ ہم کہاں بڑے لوگ ہیں۔ آپ جیسے

ان و پیار کرنے والے لوگوں کی خاک جات کر ہم

لوگ جی رہے ہیں آفیسر۔" صابر ملک کے لہجے

میں کھٹکھٹا ہٹ و خوشامد دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ بہت

ادب و اعتبار سے پیش آ رہا تھا۔

"پلیز ملک صاحب! اس وقت آپ آفیسر"

کر بول پرانہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو آپ کا بار بار

ایسا اندر کچھ گڑبڑ پیدا کر دے۔" شوٹیل نے

کہا کرتے ہوئے کہا تو صابر ملک کے ساتھ عمیر بھی ہے

مانتے نہیں پڑا تھا۔

"گڈ ویری گڈ لائٹ۔ اوکے سر۔ احتیاط کروں

گا۔ فی الحال ان سے ملتے۔ یہ مہکار ہیں۔ میری جینز

رائٹ۔ میرے پرنس کو ان کی کمر نوازیوں نے

سنبھالا ہوا ہے۔ جتنی کم عمر اور حسین ہیں اس قدر ذہین

وہ بھی ہیں۔"

صابر ملک نے بازو سے کچھ کر مہکار کو شوٹیل کے

دوبرو کر دیا تھا۔

"بیو۔" مہکار کا ہاتھ میکانیکی انداز میں اس کی

طرف بڑھا تھا۔

"سوری! میں خواتین سے ہاتھ نہیں ملاتا۔"

شوٹیل کے لہجے میں سختی درآئی تھی۔

"پھر؟" صابر ملک چونک کر بول اٹھا۔

"نگاہیں ملاتے ہیں۔" عمیر نے فوراً ہی شوٹیل کو

کھورتے ہوئے ہنس کر اس انداز میں بات سنبھالی کہ

صابر ملک کچھ محسوس نہ کر سکا۔

"آپ کیا نیکیں گے؟" صابر ملک نے بیٹھتے

ہوئے پوچھا۔

"زہر کے علاوہ جو مزاج پار میں آئے۔"

"اللہ نہ کرے، جو ہم آپ کو زہر پلائیں۔"

"ارے۔ آپ بھی اللہ کا نام لیتے ہیں؟ حیرت

ہوئی۔"

"شرمندہ کر رہے ہیں آپ، عمیر صاحب! صابر

ملک کھیا کر مکرراتے ہوئے نکلا۔

شوٹیل کے لہجے و انداز

آج 55 کاٹھا

"ارے نہیں، میری مذاق کی عادت ہے۔ آپ

شرمندہ مت ہوں۔ دوستوں میں سب چلتا ہے۔"

"اب کام کی بات ہو جائے تو بہتر ہے ملک

صاحب! ہمارے پاس زیادہ کام نہیں ہے۔ ہینڈ کو آرڈر

سے کبھی بھی کال آ سکتی ہے۔ آج کل کس قدر ریشم

چل رہی ہے آپ اس سے واقف ہی ہیں۔" شوٹیل

نے شبیہ کی سے بات شروع کی۔

"کام کی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں صاحب، کبھی

ان ذمے داریوں سے عہدہ برا ہو کر زندگی کی خوشیوں

سے بھی انجوائے کرنا سیکھیے۔ یہ آپ کے کھیلنے میں

کرنے کے دن ہیں۔ ابھی سے کہاں ذمے داریوں

کے پہاڑ آپ نے کاندھوں پر اٹھا لیے ہیں۔" صابر

ملک کو سن گئی تھی کہ اس کے گرد کے کچھ شوٹیل

لگ چکا ہے اور وہ یہ ابھی طرح جانتا تھا کہ شوٹیل نے

اس سے پہلے بھی خطرناک لوگوں کو پکڑا ہے۔ ایسے

بڑے اور منظم طریقے سے کام کرنے والوں پر وہ ہاتھ

ڈال چکا تھا جن پر انکی اٹھانے کا کوئی سوچ بھی نہیں

سکتا تھا۔ نامعلوم کس طرح اسے اس بارے میں

اطلاع مل گئی تھی ورنہ وہ برسوں سے پرنس کر رہا تھا۔

بہت شرافت و عزت کے ساتھ وہ لوگوں سے ملتا تھا۔

دولت مند تھا۔ معاشرے میں بہت نام و اعلیٰ مقام

تھا۔ اس کے اصل تک وہ نامعلوم کس طرح پہنچ گیا تھا

اور اسے ہی خریدنے کے لیے اس نے مہکار کا انتخاب

کیا تھا اور اسے خاصی ٹریننگ دینے کے بعد آج شام

ان دونوں کو یہاں بلوایا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا عمیر اس کا

اسسٹنٹ ہونے کے علاوہ جبری دوست تھا۔

"آپ لوگوں کی محبت کے نفل ہمیشہ تو کرتے

ہی رہتے ہیں۔ آپ کام بتائیے۔" عمیر نے واقع

دیکھتے ہوئے کہا۔

"کام بھی بتائیں گے۔ پہلے میزبانی تو

ہو جائے۔"

"آپ کس انداز میں میزبانی کرنا چاہیں گے؟"

صابر اس بار شوٹیل نے بے ہاک لگا ہوں سے سامنے شبیہ

لگا۔ اسے اس میں ہلکی سی حیرت والی مہکار کو دیکھتے

آج 55 کاٹھا

ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اس کی گہری نگاہیں اس کے میک اپ سے دیکھتے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”جس طرح آپ چاہیں گے، اسی طرح سر!“ صابر ملک کی ہاتھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔

”آپ اس قدر اصرار کر رہے ہیں تو، یہاں نہیں۔“

”میں سمجھتا ہوں سر، آپ کو ہمارا گفت ہوئے گھوڑیا کے کمرہ نمبر تھریٹین میں مل جائے گا۔ وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔“

صابر ملک اور وہ اس وقت ایک ہی گید رنگ کے لگ رہے تھے۔

یوں خود وہ۔

الالت و لیلیٰ کی انتہا کو پہنچے ہوئے بدتمیز انسان۔ اس کے بعد وہ رکے نہیں تھے۔ چلے گئے تھے اور

صابر ملک بہت خوش و خرم تھا۔ اس کی راہوں کا بڑا خطرہ مل گیا تھا جس کو ختم کرنے کے لیے اسے کسی معصوم لڑکی کا سودا کرنا پڑا تھا کہ اس کا کام یہی

تھا۔ معصوم و شریف لڑکیوں کا سودا کرتا وہ۔ مہوش آبی کو تہہ خانے میں زنجیروں سے جکڑے، زخم زدہ بدن سے رستا خون آلودہ نہ دیکھ لیتی تو ہرگز صابر ملک کے

اشاروں پر نہ ناہنجی۔ اس کے ناپاک کام میں ساتھ دینے کے بجائے موت کو گھگھہ رکا جیتی۔ لیکن اب اسے اپنی بہن کو اس بھیڑیے کے چنگل سے بچانا تھا۔ اس

کے لیے وہ اپنی قربانی دینے کو تیار تھی۔

رات میں اس کو ریٹانے بہت اچھی طرح تیار کیا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح قربانی کے جانور کو جھا

کر تیار کیا جاتا ہے۔

جب وہ ہوئی گھوڑیا کے کمرے میں داخل ہوئی تو شوٹیل کو اپنا ہتھیار پالیا۔

کمرال فریب خوشبوؤں سے مہک رہا تھا اور اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

صابر ملک نے ڈرائیور کے ہمراہ اسے یہاں تک پہنچایا تھا۔ آبی کی مہوش حالت کی ایک جھلک نے

اس کی تمام مزاحمت سرور ڈالی تھی لیکن صابر ملک کے ہمراہ اس ٹرین والے مسافر کو دیکھ کر وہ نے ہر میں پہچان لی تھی۔ پھر اس کا وہ مکروہ اور غلط کردار دیکھ کر اس کا اعتبار دوسری مرتبہ ٹوٹا تھا۔ ٹرین میں اس کے شرافت و اعلیٰ کردار کی وہ خود متعرف تھی مگر اب ہر شریف و پاک کردار نظر آنے والے لوگوں سے اسے نفرت ہوئی تھی۔

”آپ آئے؟“ آپ کھڑی کیوں ہیں؟“ اس کی طرف پشت کیے بغیر نے جب اس کی طرف رخ بدل کر کہا تو وہ چونک اٹھی۔ وہ جسے شوٹیل سمجھ رہی تھی وہ اس کا اسٹنٹ میسر صادق تھا۔

”آ۔۔۔ آپ؟“ وہ پری طرح بوکھلا گئی۔

اسے صابر ملک نے ایک پڑیادی تھی کہ وہ بہت خاموشی سے شوٹیل کو کوئلہ ڈرنک میں ملا کر پلاوے۔ اسے یہ

کام لازمی اور از حد احتیاط سے کرنا تھا۔ مگر یہاں میسر کو دیکھ کر اس کا جھیرانا فطری تھا کہ اس کی اور مہوش کی آزادی کا پروانہ یہی کام تھا۔

”ارے کیا بات ہے؟“ آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں؟“ میسر کو اس لڑکی کی ایک بے ساختہ حرکت

پہلے ہی بری طرح چونکا ڈالا تھا۔ بلاشبہ وہ بھرپور سن رہی تھی جو اس وقت بہترین میک اپ، سرخ رنگ کے

چھمچاتے سوت اور چمکنے جیولری میں کچھ ایسی حسین لگ رہی تھی کہ اس کے چہرے سے لگا ہوا چرانا دشوار

ہی نہیں، ناممکن تھا۔ اس کے باوجود میسر کی نظر پڑی تو اس نے محسوس کیا وہ لڑکی دیکھنا دینے سے اپنے آپ

کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی اس حرکت نے میسر کو چونکا دیا تھا۔

”نہیں۔۔۔ میں پریشان نہیں ہوں۔“ اس نے خود کو سنہانے کی بھرپور کوشش کی۔

”تو آئیے بیٹھے۔ کچھ باتیں کرتے ہیں۔ شوٹیل کو بیڈ کوارٹر سے کال آئی تھی وہ کچھ دیر میں آجائے گا۔“

میسر کی نگاہیں بہت بار کیسی سے اس کی پریشان و بے چین حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ اس سے

خاصے قلم سے پرہیز کرتی تھی تو ہاتھ پر وہ بہت الزامی اور

اور اگر یہ کارنگ رہتی تھی یا نہ تھی کی کوشش کر رہی تھی۔ میسر اپنی تمام چہرے پڑھنے کا پتہ تھا۔ اسے لڑکی کی ایک بے چینش سے محسوس ہو رہا تھا کہ لڑکی دو نہیں ہے جو وہ

نظر آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کی جھجکی ہوئی نگاہیں جیالاکسی از حد مجبوری کا احساس دل رہی تھیں۔ وہ پٹ پٹکنے سے شریف و معصوم ظاہر کر رہا تھا۔ میسر جو

اس فیصلہ کا نہیں تھا۔ اسے مہربان سے ہمدردی محسوس نہ کی۔

اس نے میٹر کوئلہ ڈرنک لے کر اندر داخل ہوا اور اس کے بوجھ کر مہربان نے نرالی سنہال لی تھی۔ لیکن میسر نے خود اس کے بوجھ کر اس سے نرالی لے لی تھی۔

”آپ تو ہماری مہمان ہیں۔ میزبانی کا حق ہمارا ہے۔“ میسر نے اسے حیران ہوتے دیکھ کر مسکرا کر کہا

اور اس کی نگاہ سے ہٹا کر وہ بابت سفوف اس کے گلاس میں ملا کر گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ مہربان نے شکر یہ

اگر کے گلاس پکڑ لیا اور ابھی گلاس میں شربت نصف موجود تھا کہ اسے لگا ایک دم ہی کمرے سمیت ہر چیز

کھوٹنے لگی ہو۔ اس نے خود کو سنہانے کی بہت کوشش کی مگر بے کار تھا۔ وہ لہجہ کر بیچے آگرمی تھی۔

اس کی آنکھ کھلی خود کو ایک کمری پر سیٹوں سے چٹوڑے ہوئے دیکھ کر وہ حیرت و خوف سے زرد پڑ گئی

تھی۔ دل کی رفتار از حد تیز ترین ہو گئی تھی۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ سیٹ

و دیواروں والا چھوٹا کمرہ تھا۔ سامنے دیوار میں لوہے کا دروازہ نصب تھا جو اس وقت بند تھا۔ اس پیچھے کے

ملاوہ وہاں دو چیزیں اور رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی شے کمرے میں نہیں تھی۔ چھت میں نصب تیز

دولت کا بلب وہاں پر اسرار سی مگر نگاہوں میں شدید چھینے والی روشنی پھیلا رہا تھا۔

وہ نامعلوم کتب سے بندھی بیٹھی ہوئی تھی۔ جسم کا ایک ایک عضو درد کر رہا تھا۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور

اس سے اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ وہ اس کے مقابل آکر کھڑا ہوا تھا۔ کون کون سے لوگ شامل ہیں؟ اور اس کے پوشیدہ

”ہوش آگیا تمہیں؟“ اس کے سرخی ہاتھ رنگت و زبانت و فخر سے دھکی پراؤن آنکھوں میں اور خوب و اور

وجہ چہرے کے ہر نقش سے ایک خاص خطرہ اٹھیک آئیز مسکراہٹ نمایاں ہو رہی تھی۔ سیاہ پیٹ اور نیلا

شرٹ میں اس کا دروازہ نمایاں تھا۔

ٹھکانے کہاں کہاں پر ہیں؟

مہم میں نہیں جانتی، آپ مجھے ملاد مجھ سے ہیں۔

ہوں۔ ہر بڑا محرم بھی کتاب ہے لیکن غلط کو صحیح ثابت کرنا میں جانتا ہوں۔ بتاؤ۔ جو میں معلوم کروں یا ہوں، اگر تم ہم سے تعاون کرو گی تو تم پر کوئی آج نہیں آئے گی، یہ میرا وعدہ ہے۔ ہم بہت طاقتور و اجادہ احتیاط سے آپ پریشان کریں گے۔ تمہیں ہزاری ایجنسی سپورٹ کرے گی۔ ہم گولڈ میں بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔

اس بار اس کا لہجہ قدر سے نرم اور احمقہ تھا بالکل دم بھری برکتی پھواری مائل۔

آپ میرا یقین کریں، میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ میں ظاہر میں رتی بھی میرے والدین کی ویتھ ہوئی تو صابر بھائی مجھے یہاں لے آئے۔

تمہارا رشتہ ہے صابر ملک سے تمہارا؟ اس کے لہجے میں تسخیر اور ڈکا ہوں میں بے یقینی تھی۔

وہ میری سسر کے چر بند ہیں۔

اچھا۔ اب کیا ہوتی ہو؟ اب بھی انجمن و تعلق ہو ہر طرف سے؟ صابر ملک جس گورنٹ وینڈ کرتا ہے وہ لڑکی اپنی معصوم و انجمن ہو۔ وہ اس صدفی کا سب سے بڑا جھوٹ یا ایسا جوک ہے جسے سن کر کسی کے بجائے رونے کو مل جاتا ہے۔

آپ یقین کریں۔ میں جھوٹ نہیں بولی رہی، مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ برکار اپنی بے بسی اور اس کی خند و ہمت دھری دیکھ کر رو باکی ہوئی۔

اچھا۔ تم اتنی ہی پاک باور و معصوم ہو تو میرے پاس ہوئی کے سوا میں کیا سچ سنو کر کیوں آئی تھیں؟ کیا تم اس سے بے خبر تھیں کہ اس بیدارم میں خلیہ کمرے نصب کیے گئے تھے اور تمہارے پرس کی نظیر جیب میں سے یہ بے ہوش کرنے والی سفوف کی پڑیا کیوں رہی تھی؟ تم اس سے بھی ناواقف ہو؟ اس نے جیب سے وہ چھوٹا سا بلیکٹ نکال کر اس کے

چہرے کے آگے لہرایا تو وہ بلیکٹ پہچان کر اس کے پیچھے چھوٹ گئے اور وہ جو بہت گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کے تاثرات جانچ رہا تھا اس کی ہراساں ہوئی وہ بلیکٹ بہت شگونیوں جیسے ڈیرک لگاؤ بند سے کسی طرح کھینچ کر روہکتے تھے۔

ہوں۔ بولو جواب دو۔ اب بھی تم کچھ نہیں جانتی؟

میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم؟ میں کچھ نہیں جانتی۔ تمہارا چھوٹ چھوٹ کر وہ پڑی۔ وہ زندگی کے کس مول پر آنکھڑی ہوئی تھی۔ اس کا احساس اسے اب شدت سے ہو رہا تھا۔ شوہن کچھ دیر تک اس سے صابر ملک اور اس کے گینگ کے بارے میں مختلف سوالات کرتا رہا۔ اسے کچھ معلوم ہوتا تو وہ جواب دیتی۔ صابر نے بڑی جھلساڑی کی تھی اس کے ساتھ۔ اسے بلیکٹ دیتے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ اس کمرے میں تصویریں اور فلم کے لیے کمرے چھپائے گئے ہیں۔ وہ شاید ذہنی نام خلیہ کا نام کھلاؤ گی تھا۔ شوہن اسے ہڈی پوچھنے کے حوالے کر کے چلا گیا تھا اور ساتھ انہیں حکم دے کر کہ اس کے سوالات کے جوابات انہیں ہر ممکن طریقے سے لینے ہیں۔

یار امیر اول نہیں کہتا وہ لڑکی صابر ملک کی دست راست ہے۔ لکھی معصوم و سادہ ہے۔ اس لیلہ کی لڑکیوں میں مخصوص عامیہ انداز و گفتار ہوتا ہے۔ اس کی فطرت کی بے بسی اور دار کی حفاظت کسی نقصان کا مائلان کے وجود سے آگہی ہے۔

معصوم، سادہ، پاک و بارہ ذریعہ برادر اطمینان دینا کی ہر عورت ہر لڑکی ماحول سے اپنی واقف کے، انہیں خصوصیات و صفات کی مالک نظر آتی ہیں۔

تہائی گاؤں میرا یقین کرو یاں زبان جھوٹ بولتی ہے مگر چہرہ اور آنکھیں کبھی حقائق نہیں چھپاتے۔ یہ کبھی جھوٹ ظاہر ہی نہیں کر سکتے۔

اوپر یہ سب کیوں ہے۔ دھوکہ ہے۔ مظاہر نے جیب سے وہ چھوٹا سا بلیکٹ نکال کر اس کے

میں ہر وقت انگارے چھاتا رہتا ہے تو کبھی تو اس کی چشم میں جھجک کر دیکھ۔ میں نے کئی محبت و مان فرمے ہیں وہ نہیں تیار کرتی ہیں۔ کمرہ صاف کرتی تھیں۔ کبھی بھیر ہر چیز تیار کر کے رکھ دیتی ہیں۔ کبھی گھر میں نہیں آتا گیٹ کے کئی چکر لگا دیتی ہیں۔ بھائی کو بہت دیر ہوئی، اتنی محبت کرنے والی بہت کم خوش نصیبوں کو ملتی ہیں۔ کیوں اپنا دشمن بن بیٹھا ہے۔ بھلا بھتوں کے بغیر بھی کوئی رو سکتا ہے۔

مجھے صرف آپ کی محبت کے علاوہ کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے جو یہ کہہ کر مجھے دھت کر دیا تھا۔ جو یہ کہہ کر مجھے دھت کر دیا تھا۔ جو یہ کہہ کر مجھے دھت کر دیا تھا۔

بھائی! آپ کو ہماری محبت کی شاید ضرورت نہ ہو۔ آپ کی اور آپ کی محبت کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ اس نے جو یہ کہہ کر مجھے دھت کر دیا تھا۔ جو یہ کہہ کر مجھے دھت کر دیا تھا۔ جو یہ کہہ کر مجھے دھت کر دیا تھا۔

دن بعد بھی اسے ناکامی کی رپورٹ ملی تھی۔ وہ انکسپشن بھی ہر تہید کے بعد مبارک سے کچھ لے میں ناکام رہی تھیں اور شوٹنگ کے منبٹھانے سے ڈالا تھا۔ وہ اعلیٰ حکام کو جلد سے جلد دیکھنے کے لیے پریشر اڑا کر آیا ہوا تھا اور اسے مارا تھا۔ گھر کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح دنگن سے اس کیس کو کامیابی و کامرانی سے کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ کامیابی کا عزم کر چکا تھا۔ میں نے کہا تھا مجھے کچھ نہیں معلوم۔ خدا کے لیے دے دیں۔ میں صابر ملک کے متعلق جتنا جانتی ہوں، میں سوچتی ہوں۔ میں سوچتی ہوں۔ میں سوچتی ہوں۔

گزشتہ تین روز سے وہ نئے خطاب میں مبتلا کی گئی تھی۔ شوٹنگ کے حکم پر اسے ایک ٹیپ کے لیے بھی سونے نہ دیا گیا تھا۔ جسم کا جو جو تھوڑا سا اس کا درہنا ہوا تھا۔ اب چار راتیں، تین دن مسلسل جاگ کر اس کی آنکھیں سرخ انگارے لگ رہی تھیں اور چین آنکھوں کے سامنے روشن تیز پاد کے بائیں کی روشنی نے اس کی آنکھوں میں برقی سی چلا دی تھیں۔ وہ ایک اذیت ناک خطاب میں مبتلا تھی۔

”صابر ملک کے بارے میں میں معلومات دے دیں۔ ہم آپ کو سونے دیں گے بی بی، بصورت دیگر یہ جو بندہ ہے شوٹنگ خان! مجرموں کی وہ حالت کرتا ہے۔“ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں اطمینان ہوں۔ بے قصور ہوں۔ ”مبارک نے لہو رنگ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے عمیر سے روتے ہوئے کہا۔

”صابر ملک کی دست راست، اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والی لڑکی معصوم، بے قصور اور انجان نہیں ہو سکتی۔ میں تم جیسی لڑکیوں کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ باہر سے جتنی معصوم و اعلیٰ نظر آتی ہو اندر سے اس قدر ہی وکارد و فطالت کی سیاحت میں لپٹی ہوئی، گناہوں و جرائم کا بندل ہوتی ہو۔“ شوٹنگ نے آگے بڑھ کر اس کے رخساروں پر پھینٹ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کا بے سکون چہرہ دیکھ کر کیوں رگ گیا۔

”تم خود اپنے آپ پر قلم کر رہی ہو۔ آخر صابر ملک کو کیوں بچانا چاہتی ہو؟ کیا وہ اس وقت تمہاری مدد کو پہنچا ہے؟ اس جیسے وطن فروش سے وفاداری کیا معنی رکھتی ہے؟“

”میں کیا کروں؟ کس طرح یقین دلاؤں؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“ شوٹنگ کے چہرے پر بھائی ہوئی نظرت اور سفاکی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی لیکن وہ کہا تالی۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ آخر یہ لوگ کچھ کیوں نہیں پہچانتے۔ کیسے چہرہ

اور شاید قدرت کو اس پر ترس آ گیا تو جو شوٹنگ خان کی سر مزاجی و بے رحم سلوک کا مظاہرہ نہ ہوا تھا کہ اس کو اطلاع ملی کوئی خاتون اس سے صابر ملک کے بارے میں کوئی معلومات فراہم کرنا چاہتی ہے۔ وہ یہ سن کر فوراً ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ اور اس خاتون کے سر پر چاہتا تھا جو اس سے ملنے آئی تھی۔

”آپ کا تعارف کی بی بی؟ آپ کیا معلومات رکھتی ہیں صابر ملک کے بارے میں؟“ شوٹنگ گری پر بیٹھتے ہوئے سامنے بیٹھی رہنمید و ملول سی خاتون کو دیکھتے ہوئے سر دھکے میں گویا ہوا۔ اس کی عظامی ٹیٹا ہیں بہت گہرائی سے اس عورت کا جائزہ لے رہی تھی جس کی عمر پچیس تیس کے درمیان ہوئی۔ درمیانے قد، اسارت جسم کی مالک تھی وہ اور کبھی حسین بھی رہی ہوگی۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر غیب سے دشمنوں کے نشانات نے چہرہ خاصا لگا دیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں اور زرد رنگت کے باعث وہ خاص سی پیار و لاغر اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

”تعارف تو اچھے اور بڑے لوگوں کا ہوتا ہے صاحب۔ ہم جیسی عورتیں تو صابر ملک کی مہربانیوں سے اپنا وقار و مرتبہ کھو کر معاشرے کے لیے گالی بن کر رہ جاتی ہیں۔“

”کیا جانتی ہیں آپ صابر ملک کے بارے میں؟ اور آپ یہاں تک کیسے پہنچی ہیں؟“

”صابر ملک شیطان صفت انسان ہے۔ ہمارے یہاں گھر گھر پھیلے ہوئے ایک مسئلے کو اس نے اپنا کاروبار بنالیا اور بہت جلد اسے اس کا روبرو میں ترقی کر کے آسمان پر پہنچا دیا۔“

”بی بی! آپ بات کو شارت کریں۔“ اس کی حمید شوٹنگ کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

”سواری سر! ہمارے ہاں ایسا لگتا ہے جیسے رشتوں کا قیڑ بڑ گیا ہے۔ ہر گھر میں آپ کو یہی مسئلہ نظر آئے گا کہ لڑکیوں کے لیے مناسب اور اچھے رشتوں کا فقدان ہے۔ لوگ ہمدردی و خاندان و اہل بیت کے

تھمنڈوں سے بھی آزاد ہو گئے ہیں اور اس مجبوری وقت سے اس نے گھر پور فائدہ اٹھایا۔ صابر ملک نے ہمیشہ ان گھرانوں کا انتخاب کیا جو چھوٹی سی رکھتے ہوں یا تنہا و لاوارث لڑکیوں سے اس نے شادیاں کیں اور بہت مکاری سے انہیں اپنے کاروبار میں استعمال کرنے لگا۔ اس کا پیلا نکار اس کی بیٹی بیوی مہوش تھی۔ وہ بے حد خوب صورت اور متوسلہ گھرانے کی لڑکی تھی۔ بہت سادہ مزاج تھا اس کا۔ صابر ملک اسے لاہور سے شادی کر کے کراچی لے آیا اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی غیرت اور اس کے حسن کی قیمت وصول کرنا شروع کر دی۔ ہمارے ہاں عموماً بیٹی ہوتا ہے کہ ماں باپ بیٹی کے گھر جانا اچھا محسوس نہیں کرتے۔ بیٹی ہشتی مستکرائی، منگے لباس، زبردات سے کچی سنوری کھڑی ہے تو وہ اس کا خاہرہ دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کی بیٹی خوش ہے۔ لاکھوں میں شیل رہتی ہے۔ وہ ملکیت بن کر اس کی طرف سے بالکل ہی بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اسی غفلت سے صابر ملک نے گھر پور فائدہ اٹھایا۔ وہ مہوش کو سالوں میں اس کے والدین سے ملوانے لے جاتا اور بہت کم عرصے وہاں مہوش کے ساتھ قیام کرتا اور اس عرصے میں وہ بہت جان چھادو و پار کرنے والے شوہر کا کردار ادا کرتا تھا۔ گھر میں وہ مہوش کو تنہا ان کے ساتھ نہ چھوڑتا کہ مہارادو اس کا اصل بیان نہ کر دے۔ اس طرح وہ مہوش کے والدین کے لیے از حد پسندیدہ و قابل فخر داماد بن گیا تھا۔ پھر مہوش کے بعد بھی اس نے اسی طرح بے شمار لڑکیوں کو شکار کر کے جاں میں پھنسا لیا اور اسی طرح اس کے جاں میں، میں بھی پھنس گئی۔ میں سونیا درانی ہوں۔ اس کی شاندار پرستاشی اور اعلیٰ اسٹیشن دیکھ کر میں نے اپنے بھائی بھائی کی بے حد مخالفت کے باوجود اس کی محبت میں اندھی ہو کر گورٹ میرج کر لی۔ اور اس کے کہنے میں آکر ماں باپ کی طرح پرورش کرنے والے بھائی بھائی کو چھوڑ دیا۔ ہمیشہ کے لیے اور۔۔۔ اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ”اور بہت جلد مجھ پر اس کے اعلیٰ چہرے کا انکشاف ہو گیا۔ صابر

تہا نہیں ہے۔ اس کا پورا ٹینگ ہے جو ہر وہ طریقہ
 بتاتا ہے جو اس کے حکم کو اس کی راہ پر لاسکے۔ اس راہ
 جہاں پر جسم تو ٹھکارتے ہی ہیں اور وہیں بھی کثرت
 جاتی ہیں۔ صابر ملک کے لیے جس دل میں بھی
 خدمت تھی، پھر اس کے طریقہ کردار نے اتنی نفرت و
 بدعت بھری کہ انتقام کے شعلے جسم میں خون بن
 دوڑنے لگے۔ مہوش سے بظاہر میرا سوتوں کا رشتہ
 مگر رشتے بھی جذبول سے محسوس کیے جاتے ہیں۔
 صابر ملک نے ہمیں وہ عزت و وقار پیش دیا تو ہمارے
 روایتی حسن و جان کا رشتہ بھی نہ تھا بلکہ وہ مجھ سے
 انتقام کا جذبہ رکھتی تھی اور اس کا عزم تھا وہ صابر
 کے ہاتھوں مزیلہ لڑکیوں کو تباہ نہیں ہونے دے گی
 صابر ملک جو گزرتے وقت کے ساتھ وطن کی
 قی و عزت کا دشمن بن گیا تھا اس کے خطرناک
 ضم سے حکومت کو باخبر رکھنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
 صابر ملک، ملک دشمن عناصر کے ساتھ مل کر
 ہی ملک کا دشمن بن چکا تھا۔ مہوش نے اور میں
 کر بہت ہوشیاری اور رازداری سے اس کے
 خفیہ فون کالز، ڈاکو میٹس، تصاویر کی فوٹو کا بیڑ بنا
 چھپانا شروع کر دیں، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ہم
 موقع پر وہ تمام دستاویزات آپ کے حوالے
 کے صابر ملک کو گرفتار کرواتے کہ صابر ملک لاہور
 مہوش کی چھوٹی بہن کو لے آیا اور یہاں پر مہوش کو
 جان ڈراپ کرنا پڑا۔ مہوش نے ہر ممکن کوشش کی
 ہر طرح جی اپنی بہن کو وہاں سے کسی محفوظ جگہ پر
 کر دے۔ اس کی زندگی کا واحد مقصد اپنی بہن کی
 موت تھی۔ اسے یقین تھا کہ صابر ملک اس کی
 کو کسی خاص مقصد کے لیے اس کی اجازت کے
 لے آیا ہے اور اس نے گمرانی کے لیے اپنی خاص
 کو اس کے پاس ملازمہ کے روپ میں چھوڑا
 جس کا کام اس کی اور مہوش کی تباہی ملاقات نہ
 دینا تھا۔ ایک رات مہوش نے موقع پا کر گھر
 کیلئے دروازے سے آ کر اپنی بہن کو اصل صورت
 بتائی اور اسے ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ ابھی اس

کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ اس نے باہر صابر ملک
 کے قدموں کی مخصوص آواز سن لی اور وہ کچلے جانے
 کے خوف سے اسی وقت وہاں سے چلی گئی مگر بہت دیر
 ہو چکی تھی۔ صابر ملک اس کی جھلک وہاں سے نکلتے
 ہوئے دیکھ چکا تھا اور اس نے نہایت سفاکی سے اسے
 تہ خانے میں بند کر دیا اور پھر اس کے ذریعے ایک
 میل کر کے اس کی بہن کو اپنے مقام میں استعمال کرنا
 شروع کیا۔

”آپ کو میرا بیٹا کس نے دیا؟ مہوش صابر
 اور وہ دستاویزات کہاں ہیں؟ صابر ملک کے ٹھکانے کا
 آپ کو یقیناً معلوم ہوگا۔ آپ مطمئن ہو کر ہماری مدد
 کیجیے۔ ہم آپ کی اور مہوش صابر کی بھرپور مدد اور
 حفاظت کریں گے۔“ شموئیل نے اس کے خاموش
 ہوتے ہی بہت نرمی و رسانیت سے اسے سمجھایا۔

”مہوش؟ آؤ۔“ بے اختیار اس کی آنکھوں سے
 آنسو بہنے لگے۔ ”وہ بد نصیب زندگی کی قید سے اسی
 دن آزاد ہوئی تھی جب اسے جبر ملی تھی کہ اس کی بہن کو
 ایک کل پولیس حراست میں لے چکی ہے۔ کیلنر کے
 آخری آئیچ پر وہ تھی۔ اس خبر نے اسے اس ناپسندیدہ
 زندگی سے آزادی دلوائی۔“

”کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟ وہ لڑکی میرا کون
 نہیں ہے؟“ میسر نے پالی کا گلاس اسے دیتے ہوئے
 چونک کر استفسار کیا تھا۔

”جی۔ میں اس کی وجہ سے یہاں آئی ہوں۔ وہ
 لڑکی مظلوم و بے قصور ہے۔“ بطور خاص وہ میرا کو
 شموئیل صاحب کے لیے لایا تھا، اس انکشاف پر
 شموئیل چونک اٹھا تھا۔ تعمیر اور توجہ سے اس کی گفتگو
 سننے لگا۔

”میرا یقین کیجیے۔ آپ نے ابھی سوال کیا تھا کہ
 آپ کے بارے میں میں کس نے بتایا تو ہم کئی ماہ
 سے اس کیسے انسان کو آپ کی وجہ سے پریشان دیکھ
 رہے تھے۔ آپ کی وجہ سے اس نے اپنے خفیہ کلب و
 دیگر سرگرمیاں بند کر دی تھیں۔ اس کی کوشش تھی کسی
 طرح سے آپ کو غریب کر دیکے وہ خطرے کی گھنٹی توڑ

الے۔ آپ کی وطن سے محبت، ملازمت سے عشق،
 اہل اخلاق و بلند کردار کا ذکر سن کر ہی مہوش نے فیصلہ
 کیا تھا کہ وہ ڈاکو میٹس آپ کو ہی دے گی ورنہ بڑے
 بڑے آفیسر کو اس نے صابر ملک کے جنوں کی خاک
 چاٹتے دیکھا تھا لیکن بے جاری آپ تک نہ پہنچ سکی
 اور شاید میں بھی نہ پہنچ پاتی کہ صابر ملک کی لٹا ہوں
 ہیں میں بھی مردہ ہوں۔ بے انتہا تشدد کے بعد وہ
 مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گیا تھا۔ لیکن شاید میری زندگی تھی
 اور مجھے مہوش کے مشن کو مکمل کرنا تھا اس لیے نکل گئی۔
 شموئیل صاحب! آپ میرا کار کو چھوڑ دیجیے۔ میں آپ کو
 وہ تمام ڈاکو میٹس دے دوں گی اور صابر ملک کے
 اصل ٹھکانے تک لے جاؤں گی۔ میں نے پہل پہل اس
 کی گمرانی کی ہے۔“

”اوکے، پہلے آپ کو ہماری کالغذی کارروائی
 پوری کرنی ہوگی۔ پھر ہم آپ کی آزاد کردیں گے۔ میں
 آج ہی صابر ملک کو گرفتار کروں گا۔“ شموئیل نے
 کھڑے ہوتے ہوئے پر عزم لے لیا۔

❖❖❖

جسم پر لگے زخم مرہم سے مندمل ہو جاتے ہیں مگر
 روح پر لگے زخموں کو وقت بھرتا ہے۔ لیکن ان کی
 تکلیف واذیت انسان کسی نہ کسی موقع پر محسوس کرتا ہی
 رہتا ہے۔ یہی سمجھا اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ ماں باپ
 کے بعد اس کا واحد سہارا، جس کی امنگ، اس کی بہن
 تھی اور اس کی خاطر وہ صابر ملک کے ہاتھوں کچل چکی
 بننے کو تیار ہوئی تھی۔ مہوش کے دنیا چھوڑ دینے کی خبر
 اس پر پڑی بن کر گری تھی اور اس نے زیادہ تکلیف وہ
 بات اس کے لیے بھی کہ وہ اس کا آخری دیدار بھی نہ
 کر پائی تھی۔ سو نہ اس کی حفاظت کے لیے بھی مہوش
 نے چھوڑا ہوا تھا لیکن وہ بہن کی سرمدہری، بیگانگی، تند
 مزاجی و کڑھائی کی وجہ بہت دیر میں جان پائی اور اس
 وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ صابر ملک اپنا کام کر چکا
 تھا۔ وہ جاتے جاتے بھی نہ صرف اسے بلکہ ملک و عوام
 کو بھی بڑے خطروں سے آزاد کروا گئی تھیں۔

صابر ملک کا حلق الٹی غٹیا لوگوں میں آتے تھا

جو دولت کی خاطر اپنی اناہ خودداری، تمیز اور غیرت تک
 کا سودا تو کر دیتے ہی ہیں مگر جب ہوس و بڑبڑ
 جاتے تو ملک و ملت کی سلامتی کا بھی سودا کر دیتے
 ہیں۔ صابر ملک بھی اب ملک دشمنوں سے مل گیا تھا۔
 شاندار پارٹیز کے بہانے وہ بڑے بڑے افسران اور
 دیگر اہل رخ کے نام نہاد لوگوں کو بلاتا تھا جن میں کچھ
 عیاش و بے تمیز لوگ اس کے جال میں پھنس کر بعد
 میں اپنی عزت و نام بچانے کے لیے خاموشی سے اس
 کے لیے ہر وہ کام کرتے جو وہ چاہتا اور جو اس طرح
 اس کے قابو میں نہ آتے انہیں اپنی راہ پر چلانے کے
 لیے اس کے پاس بہت سے طریقے تھے۔

میرا کو شموئیل کے پاس بھیجے گا اس کا مقصد یہی تھا
 کہ وہ نشہ آور یا ڈر کولڈ ڈرنک میں پینے کے بعد
 شموئیل مہوش و خواہش سے بے گانہ ہو جاتا اور وہ اس
 موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہاں خفیہ کمرے
 پہلے ہی نصب کر دیا تھا۔ وہ اسی طرح ایک میل کیا
 کرتا تھا۔ لیکن شموئیل پر اسے پورا بھروسہ نہیں تھا اس
 لیے اس نے اپنے خاص آدمیوں کو گمرانی کے لیے چھوڑ
 رکھا تھا اور اسے وقت سے پہلے ہی گڑبڑ کی اطلاع مل
 گئی تھی۔ خود وہ اسی اپنے بے حد خفیہ ٹھکانے پر روپوش
 ہو گیا تھا اور یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ اس کے اس ٹھکانے
 سے سو نیا واقف تھی۔ سو نیانے پہلے وہ تمام ثبوت اسے
 فراہم کیے جو بڑی محنت کے بعد مہوش نے اور اس نے
 حاصل کیے تھے پھر پولیس نے اس کی رہنمائی میں
 بھرپور اس ٹھکانے پر ریڈ کیا۔ پہلے تو دونوں جانب
 سے فائرنگ کا زبردست تبادلہ ہوا پھر صابر ملک نے
 سر بند کر دیا تھا۔

سو نیانے فائرنگ میں ہلاک ہوئی تھی اور صابر
 ملک کے کئی ساتھی بھی۔ شموئیل نے اعلیٰ حکام سے
 درخواست کی تھی کہ ابھی کچھ عرصے تک صابر ملک کی
 گرفتاری کو راز رکھا جائے تاکہ دوسرے مجرموں کو بھی
 اس کے ذریعے اسی طرح رازداری سے پکڑ کر سزا دی
 جائے اور اعلیٰ حکام نے اس کی درخواست منظور کر لی
 تھی۔

مہاراجہ کو میرا اپنے گھر لے آیا تھا۔ اسے پہلی ہی نظر وہ بہت پاکیزہ و معصوم لگی تھی۔ پھر یہ جاننے کے کہ وہ تنہا بے سہارا ہے اس نے بہت پر خلوص ہو کر بہن بنا کر سہارا دینے کی کوشش کی تھی جو مہاراجہ نے اسے ٹھکرا دی تھی۔ وہ اب کسی رشتے پر اعتماد کرنے نہیں تھی اور میرا اسے کسی فلاحی ادارے میں بھیجے دیتا تھا۔

اس نے اپنی بیوی اسماء کو اس کی تمام اسٹوری بتائی جو بہت پر خلوص و مہربان طبیعت کی مالک تھی جو اس سے کھرا لائے کو تیار ہو گئی۔ ویسے بھی ان دنوں کسی ایسے فرد کی ضرورت تھی جو گھر کے کام میں اس کی مدد کرے۔ بہت کوششوں کے بعد وہ مہاراجہ کو اس پر گھر میں لائے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ بطور بدیاں کام کرے گی اور کسی سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

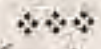
”مہاراجہ! بیٹھو نا کہاں جا رہی ہو؟“ وہ اپنا کام کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی اسماء نے اس کے پیچھے پر ہاتھ رکھ کر اپنا نیت سے کہا۔

”کمرے میں جا رہی ہوں، میرا صاحب کے کاتھم ہو رہا ہے۔“

”ہاں بات نہیں ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ سائب کا ڈسارسی سے بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ میں نے بہت بڑا فریب کھایا ہے۔ جس شخص کو میں فرشتہ اور قابل رحم شہر سمجھتی رہی اس کا اصل مکروہ و شیطان صفت نکلا۔ اور میری بہن جس کے لیے میرے دل میں وہ لالہ فیز محبت تھی محسوس نہیں ہوئی جس کی طرف سے میں ہمیشہ متحرک و بد نظری رہی۔ وہ کیا انگلیں۔ ایسی محبت، ایسا خیال تو شاید ہی کسی بہن نے بہن کا کیا ہوگا۔“

مہاراجہ شدت و کج سے بری طرح رو پڑی۔ اسماء نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

”انگلش روئے ایسی اندوہناک مصلحتیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں کہ جب ہم پر آفکارا ہوتے ہیں تو ہر شخص دیکھتا ہے اور دیکھی ہونے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن اب اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم ان پچھتاؤں کو اپنی بقیہ زندگی کا حصہ بنالیں۔ اس طرح ہم اپنی بہن کی روح کو بھی تحریف و پیچھاؤں کی اور اللہ کی بھی ناپسندیدہ ٹھہرو گی۔ اب تم جو ہیں تمہاری مہوش آبی ہوں اور ان کے بدلے کی ساری محنتیں تم مجھ پر لٹاؤ۔ مجھے تم بڑی بہن کی طرح ہی یاد کی۔ دیکھو مہوش کے واسطے تمہیں خود کو بدلنا ہوگا اور ایک اچھی خال کی طرح اپنے آنے والے نسخے بھانجے یا بھانجی کے لیے تیاری بھی کروانی ہوگی۔“ اسماء نے پیچھے شرم کر اشارہ کیا تو وہ برستے آکسوؤں کے درمیان مسکرا دی۔



”بابا جان! آپ نے جو یہ یہ کی انگریز کر دی اور مجھے بتانا تک گوارا نہیں کیا۔ کیا میں اس کا بڑا بھائی نہیں ہوں؟ اس پر حق نہیں رکھتا؟“

گھر میں آتے ہی دادی جیوان سے یہ خبر سن کر وہ سیدھا ان کے بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔

”اوو! بڑا بھائی، حق؟ تم نے بھی انہیں سمجھا ہے نہیں جو آج حق جتانے چلے آئے؟ وہ میری بیٹیاں ہیں، میری۔ میں حق رکھتی ہوں ان کے بارے میں سوچنے کے۔“ ان کا لڑکھٹا ہوا منہ بے ساختہ بول پڑا۔

”آپ کی کیا؟“ میں ”اور“ میری ”تے ہمارے“

رجوان فاصلوں کو بھی ختم ہونے نہیں دیا لیکن اب میں کوئی پروا نہیں کروں گا۔ جب تک لڑکے اور اس کے خاندان کے بارے میں مکمل معلومات نہ کر لوں، بات آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ”شوٹنگل نے اہل لہجہ میں کہا۔

”ارے اوہ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ تم نے انگریز کو کوئی کھیل سمجھا ہے؟“

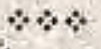
”خاموش رہو۔ میں ابھی صرف رشتہ آیا ہے۔ تم بہت بڑی تھے اس لیے میں انتظار کر رہا تھا کہ تم فارغ ہو تو بات کروں۔ تم جو بریہ سویرا کے بھائی ہو اور پورا حق رکھتے ہو ان پر۔ لڑکے سے کل میں ملو اور بتاؤ ہوں تمہیں، پھر باقی کام تمہارا ہے۔“

رائیل صاحب جو بیٹے کو اس روپ میں دیکھنے کے انتظار میں کپ سے تھے آج دلی مراد پوری ہوتے دیکھ کر مسرت سے کمر بڑھنے میں لگ گیا ہوئے۔

”میرے گئے بھائی کا جینا ہے۔ کوئی آوارہ بدعاش ٹھوڑی ہے۔“

”نی الحال لڑکی کا بھائی جب تک مطمئن نہیں ہوگا، کوئی فیصلہ بھی نہیں ہوگا۔“

بیٹے کی محبت پا کر رائیل صاحب پھولے نہ سارے تھے۔



کال بیل کی آواز پر اس نے محبت کھولا اور سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر لہجے بھر کو وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی۔ اسے اپنے ہار چر کے جانے والے لمحات یاد آ گئے۔ اس کے چہرے پر پتھر جیسی سخت نمودار ہو گئی۔

”وہ عمیر، مسز عمیر ہیں؟“ اسے دیکھ کر وہ بھی چونک گیا تھا۔ وہ بھولی ہی گیا تھا کہ وہ یہاں ہے۔ اس نے شدید مخالفت کی تھی اسے دارالامان کے بجائے گھر لانے کی۔ جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا اندر جا کر اسماء کو اطلاع کر دی تھی اور خود لیٹن میں آ گئی تھی۔ وہ میاں بیوی بہت مہمان نواز لوگ تھے۔ انہا نے لوگوں کی بھی خوب خاطر مدارات کیا کرتے تھے۔ پھر

اس شخص کے تو ذکر یہاں ہر روز ہرے چاؤ سے کیے جاتے تھے۔ وہ اسی حساب سے وہ جتنا اہتمام کرے ناکافی ہی تھا۔

”ارے اوو! اتنی جلدی اتنا اہتمام کر لیا۔ اور چیزیں بھی تمام شوٹنگل کے پسند کی ہیں۔ تم فریالی نے کر چلو میں چائے تیار کر کے لے آئی ہوں۔“ اسماء لوازمات سے بھری فریالی اس کی جانب کھٹکا کر بولیں۔

”نہیں بابی! آپ یہ فریالی لے کر جائیں میں چائے فلاسک میں بھر کر لا رہی ہوں۔ اور پلیز آپ مجھے وہاں رکھنے کا نہیں کہے گا۔“ اس نے چائے کے برتن فریالی میں پیٹ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”کیوں؟ یہ کیا بات ہوئی؟ عمیر بھی آگئے ہیں۔“

”پلیز بابی! بھائی جان کو کہہ دیجئے گا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔“ اس کے لہجے میں کچھ ایسا اصرار تھا کہ وہ خاموش ہو کر چائے کے تیار ہونے تک چند منٹ وہاں رک نہیں سکتی تھی۔

”شوٹنگل کی بہن کی انگریز اسے سنڈے کو۔ اس کا انویٹیشن کارڈ دینے آیا ہے۔ دراصل وہ بچپن سے ہی اپنی دادی کے ساتھ رہا ہے۔ اس کی مدد کی ڈیوٹی تھی اس وقت ہوئی جب وہ ایک سال کا بھی نہ تھا تب اسے اس کی دادی نے ہی پرورش کیا ہے۔ اس کے خاندان نے دوسری شادی کر لی لیکن دوسری ماں کب شوہر کی پہلی اولاد کو اپنا سمجھتی ہے۔ بلکہ وہ بڑے کے پہلے رائیل انگل کو اس ملک سے ہی باہر لے گئیں اور کبھی کبھی یہاں آتی تھیں ان کے ساتھ پھر وہ بیٹیاں ہونے کے بعد تو ان کا دماغ اور زیادہ ہی خراب ہو گیا ہے۔ شوٹنگل مجھوں کو ترسا ہوا انسان ہے۔ مجھے تو بہت ترس آتا ہے اس پر۔ کس طرح اتنی چھوٹی عمر میں ماں کی محبت و شفقت سے تو محروم ہوا ہی تھا پھر باپ سے بھی دور کر دیا گیا۔ اگر ان کی دادی اتنی اچھی چاہنے والی، خیال رکھنے والی نہ ہوتی تو آج وہ انہی اچھے انسان نہ ہوتے۔“

"چائے تیار ہو چکی ہے، جلدی جائیں۔ سب ٹھنڈا ہو جائے گا۔" وہ فلاسک ٹرائی میں رکھ کر ان سے مخاطب ہوئی۔ اسے شوٹیل کی تعریف ایک آنکھ نہ بھاری تھی۔ اس کے اندر لڑاؤ سا کھولنے لگا تھا۔ اسماء کے جانے کے بعد اس نے بہن کی صفائی کی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کے اندر رہے چینی و اضطرار سا پھیلتا جا رہا تھا۔ چند منٹ وہ کار پر پر مچی چیزوں کو دوبارہ ترتیب دینے لگی۔ اس سے بھی بے غمی دور نہ ہوئی۔

"شوٹیل خان اتم محبوبوں کو نہیں انسانیت و اخلاقیات کے تر سے ہوئے انسان ہو۔"

اس نے نفرت سے سوچا اس کی نگاہوں میں وہ معاذ گھر مٹنے لگے جب وہ اس سے صابر ملک کے خلاف معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا اور وہ جتنی کر رہی تھی کہ گڑبڑ نہ آئے اور وہ کچھ نہیں جانتی لیکن اسے یقین نہ آیا تھا۔ کتنا بے رحم و سفاک تھا وہ، پھر سے بنا جیتا جاگتا سانس لینا انسان۔ اس کے دیکھتے ہانڈی گرفت اسے ابھی بھی اپنے شانوں کو جکڑے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔ "شوٹیل خان میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"



دو نوں میاں بیوی کے بے حد اصرار کے باوجود وہ اچھٹ میں نہیں آئی تھی۔

اسما بیٹے وانسی کے بعد وہاں کی ایک ایک بات سے بتاتی تھی۔ وہ بہت متاثر تھی ان لوگوں سے۔

"میر نے بہت شاندار ارٹھ منٹ کی تھی۔ سگہ بھائی سے بڑھ کر حق نباہ رہا ہے۔ جو یہ دہن بن کر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہاں نے دہن کو رنگ پہنائی تھی لیکن دہن نے شرم کے مارے رنگ نہ پہنائی۔ شوٹیل نے وہاں کو رنگ پہنائی تھی۔ اس دن اس کی مٹی بھی سو تیلے بیٹے سے بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اور کیوں نہ آتی۔ بھئی جس کو کسی انہوں نے اپنا نہیں سمجھا اس نے انہوں سے بڑھ کر خود کو منوایا۔ اور شوٹیل کی دادی وہاں آئی ہوئی ایک ایک لڑکی کو بہانوں سے

شوٹیل کو دکھا رہی تھیں کہ وہ شاید کسی کو پسند کرے تو وہ بھی اٹھا دیر بند آرزو اس کی شادی کی پوری کریں مگر شوٹیل کہیں فیشن کے نام پر کارٹون بن کر آنے والی لڑکیوں کو پسند کر سکتا تھا۔ اس نے ایک آنکھ کسی کو دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ وہ ایسا ہی سے شریف و پاکر دار۔

"باجی اگر آپ کا شوٹیل مارا مکمل ہو گیا ہو تو شاٹنگ کو چلیں؟" مہکار کی قوت برداشت جواب دے گئی تو اسے نوکناشی پڑا۔ ایک ہفتے سے یہ بتا کر اسے پوری طرح اذیر ہو چکے تھے مگر اسماء کی طبیعت ابھی تک سیربی نہ ہو پاری تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یہی تو چند دن ہیں میرے پاس باہر لٹنے کو پھر تو ڈاکٹر نے پابندی لگا دی ہے اس لیے میں چاہتی ہوں گھر میں دو تین ماہ کا سامان اسٹاک ہو جائے۔ میرا گھر یلو شاٹنگ کرنی نہیں آتی اور تم تو گھر سے تباہ لگانا چاہتی ہی نہیں ہو۔"

بڑی سی چادر سے خود کو ڈھانپتے ہوئے انہوں نے حسب عادت طویل جواب دیا تھا۔

خریداری کرتے ہوئے انہیں وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔ وہ جب شاٹنگ سینٹر سے باہر آئیں وہ پہر کی روشنی شام کے سرخی غبار میں وصل چلی گئی۔

"بہت تھک گئے آؤ یہاں قریب ہی ریسنورٹ ہے، وہاں کے سینڈوچ اور چائے بہت لذیذ ہوتی ہے۔ وہاں کچھ کھا لیں گے تو توانائی لوٹ آئے گی۔ چائے سے تھکن دور ہو جائے گی۔"

"نہیں باجی! اتنے شاٹنگ بیگز کے ہمراہ کسی ہول بارے سنورٹ میں جانا اچھا نہیں لگتا۔ اب سیدھے گھر چلیں گے، وہاں جا کر چائے وغیرہ پیئیں گے۔"

مہکار یہی اسٹینڈ کی جانب بڑھتی ہوئی بولی۔ بات معقول تھی۔ اسماء اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ چنانچہ اسٹینڈ پر اس وقت کوئی ٹیکسی نہیں تھی۔ رکشہ کی تلاش میں انہوں نے قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ ڈاکر بلوچ بھائی کا ران کے قریب آ کر رکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شوٹیل کو دیکھ کر اسماء خوش ہو گئی۔ لیکن مہکار کے چہرے پر ناگوار کی کے تاثرات اس کی جہانم دیدہ

لگا ہوں سے بھی مخفی نہ رہ سکے تھے۔

"آئیے، میں ڈراپ کروں گا آپ کو۔" اس نے باہر نکل کر ان کے ہاتھ سے بیگز و شاہ پر لیتے ہوئے کہا۔

"اب اتنی دیر سے یہاں خوار ہو رہے ہیں۔ شام کے وقت رکشہ کیلکسی مشکل سے ملتے ہیں، چلو آ جاؤ، شوٹیل کوئی غیر نہیں ہے، بھائیوں کی طرح عزیز ہے مجھے۔ ہم آرام سے گھر پہنچ جائیں گے۔" اسماء اس کے ہاتھ سے سامان لے کر شوٹیل کو دیتی ہوئی اسے سمجھانے لگی۔

ڈکی میں سامان رکھتے ہوئے ڈاکر گلاسز کے پیچھے سے شوٹیل نے پہلی بار اسے نور سے دیکھا۔ شام کی سرخی و صند میں اسٹریٹ لائٹس کی سبیری روشنی میں دیکھا اس کا نو خیز حسن، سیاہ ویش کے سوٹ میں اس کی گلاب رنگت، گلاب کی طرح ہی مٹی کی لگ رہی تھی۔

اتنا سادہ پھر پور حسن، اس نے حیرانگی سے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ دل میں لگے تمام نکل یکدم ہی لوٹ گئے تھے۔ دل و جذبات کی دنیا اس طرح بدلی تھی کہ وہ حیران رہ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر بیک سر کو اس کے چہرے پر فوکس اس نے بے اختیار کیا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے تھے شوٹیل؟" اسماء نے سیٹ سے ٹپک لگاتے ہوئے استفسار کیا۔

"جویریہ کے سسرال والے جلد شادی کرنا چاہ رہے ہیں اسی سلسلے میں جیولری شاپ گیا تھا۔" اس نے بیک سر میں دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ مہکار نے ایک دفعہ بھی سر نہیں اٹھایا تھا۔ اسے سخت قصہ تھا اس شخص کی کار میں سڑک کرنے کا۔ اس بات سے وہ بے خبر تھی کہ وہ تمام راستے اس سر پہرے شخص کی نگاہوں کے حصار میں رہی تھی۔ ایک منٹ پہلے ہول میں وہ انہیں لے گیا تھا۔ اسماء کی خاطر وہ چلی گئی تھی۔ لیکن اس نے وہاں کسی چیز کو ان کے اصرار کے باوجود ہاتھ نہ لگایا تھا۔ اسماء کے علاوہ شوٹیل نے بھی اس کے رویے کو شدت سے محسوس کیا۔



بھائی! کہاں چلے گئے تھے آپ؟ بچ پرکشا انتظار کیا ہے آپ کا۔" اسے دیکھتے ہی سویرا اور جویریہ آگے بڑھ کر اس سے پوچھ گئیں۔

"بچ میں نے باہر کر لیا تھا۔ جویریہ کے لیے کچھ شاٹنگ کرنی تھی۔" اس نے قرب بھیجی جویریہ کی طرف دیکھتے ہوئے دھڑکے سے منکرا کر ہاتھ میں پکڑی بیک اس کی طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ جیولری بیک ہے اس میں جوڑے پند آئے اس پر نشان لگا دیتا۔ پھر آرزو پر ہمیں دو جیولری مل جائے گی۔"

"بھائی! جو آپ پسند کریں وہی بہتر ہے۔ میں کیا ہاؤں۔" جویریہ شرما کر بولی۔

"میں! ہا ہا ہا۔۔۔ یہ میری کینی گری نہیں ہے۔ مٹی اور دادی کی مدد لے لو۔" وہ بے ساختہ ہنستا ہوا بہت خوش اچھا لگا تھا دونوں بہنوں کو۔

"دونوں کیوں دماغ خراب کرنے بیٹھ گئی ہو بھائی! کچھ چلو پھیل پڑو کہ لے برٹن لگاؤ۔ میں نے کھانا تیار کر لیا ہے۔" فائزہ بیگم وہاں آ کر بیٹیوں سے مخاطب ہوئی تھیں۔ جب سے شوٹیل نے بہنوں اور باب سے اپنا رویہ درست کیا تھا گھر کا ماحول بہت پرسکون و خوب صورت ہو گیا تھا۔ فائزہ بیگم شروع شروع میں اپنے رویے پر قائم رہی تھیں لیکن جویریہ کے منکشی کے سلسلے میں جو محبت اور ذمے داری کا احساس اس نے دیا تھا اس احساس نے ان کے اندر کی زہریلی عورت کا زہر رفتہ رفتہ ختم کر دیا تھا۔ ان کا رویہ بھی سال اور بیٹے سے بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی سابقہ حرکتوں پر پشیمان تھیں۔ شوٹیل سے بظاہر وہ ابھی بھی لاعلمی رہتی تھیں مگر اس کا خیال ماں کی طرح ہی رکھنے کی تھیں۔ رو رہو ہوتے ہوئے ابھی اس سے جھجک بھی انہیں۔

"جویریہ کو کچھ مت کہا کرو بہو! وہ اس گھر میں اب چند ہفتوں کی مہمان ہے۔" دادی جان وہاں آ کر جویریہ کو سینے سے لٹکی ہوئی گویا ہوئیں۔

"بیٹیاں تو مہمان ہوئی ہی ہیں اماں! لیکن میرا

بھی فیصلہ نہ لیں۔ جب تک اس گھر میں بہو نہیں آئے گی، جو یہ سسرال نہیں جائے گی۔

"بہو! یہ ہوتی بات! سسرال مکالمہ کرنا پر جوش انداز میں لگی۔

"بہو تو جب آئے گی، جب بیٹے کی رضا ہوگی۔ تو بیٹے صاحب کی محمودی کا تم بیٹے سے لگائیے ختم رہے ہیں۔ انہیں کسی کی فکر ہے نہ پر واہ۔" دادی لہجہ جلا کر لگتا تھا۔

"اُنکی کوئی بات نہیں ہے اماں! میں نے تم سے علوم کیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے اس مجھ سے شیکے لئے لیے۔ فریسی کہانی سنا رکھی ہے جو قطعی حقیقت نہیں ہے۔" فائزہ بیگم نے ہکا بکا کھڑے تیلی کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تعمیر! انہیں چھوڑو گناہیں میں، ایلہ بیٹ۔" نے تصور میں تعمیر کی درگت بنائی تھی۔ "واہ! بھئی! اٹھا ہاش ہے! بڑھی دادی کی چاؤ کا یہ دیا ہے تم نے۔"

"دادی جان! پلیز، آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرا دل آپ کی دل آزادی پر گزرتا تھا بلکہ ان دنوں کے پروردہ مطالعوں سے گھبرا کر مجھے وہ سب کہتا تھا۔" اس نے ناراض دادی کو مناتے ہوئے ی سے کہا۔

"معاف کروں اماں! ابھی ہے آئندہ کبھی ایسی نہیں ہوگی۔" فائزہ بیگم کے کہنے پر اماں کا غصہ ہوا تو وہ بولیں۔

"وہ شرارت پر اس کو معاف کروں گی۔ پہلی شرط تو یہ تمہاراں اور بیٹا اپنے درمیان قائم مصنوعی بیگانگی و کٹ دیا کرنا۔"

ماں! اماں! قوتوں کا احساس وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔ بہت بد نصیب ہوں میں جو فضول کے پیچھے بیٹے کی زمین بنی رہی۔ آپ نے کہا تھا، ماں! تو ماں ہوتی ہے اس کے لیے اولاد ولاد ہوتی ہے۔ سگے، سو تھیلے کی تفریق سے میں اتنی شرمندہ ہوں بیٹا! کہ آپ سے تو کیا

خود سے نکال دینے کے قابل نہیں ہوں۔

"ایسا نہ کہیں پلیز، گستاخیاں و زیادتیاں مجھ سے بھی کم نہیں ہوتی ہیں۔ بس اب تکلیف دہ باتوں کو آج سے چھپے چھوڑ کر ہم اپنائیت و خوشیوں کی راہ پر چلیں گے۔" محمودی نے نام و شرمندہ فائزہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو ہم آنکھوں سے آنکھوں سے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر دم کرواؤں سے نوازا تھا۔

"میری دوسری شرطیں لوکان کھول کر، جب تک یہ شادی کے لیے ہاں نہیں کرے گا، تب تک میں اس سے ناراض رہوں گی۔ اگر اسے کوئی لڑکی پسند ہے تو یہ ایک بیٹے کے اندر اندر ہمیں اس کا پتا دے دے۔ ورنہ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد ہم اپنی پسند کی لڑکی کو حوالہ کر شادی کی تاریخ طے کر دیں گے۔"

"دادی جان! ایک ہفتہ بہت کم ہے۔ پلیز کچھ دن اور بڑھا دیں۔"

"نہیں، ہاں نہیں۔ ایک ہفتے سے کم نہ زیادہ۔ صرف ایک ہفتہ ہے تمہارے پاس۔"

ان کے حکم پر وہ سر پکڑ بیٹھ گیا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" مہکار کا سر پیچر اور ریسپور غصے سے رکھنے کے انداز سے وہ کچھ چلی نہیں کہ کس کا فون ہو سکتا ہے مگر پھر بھی انجان بن کر پوچھنے لگیں۔

"آپ، غلطی سمجھ سکتی ہیں باجی! کس کا فون ہو سکتا ہے۔" اس کا مودا ابھی بھی بڑا ہوا تھا۔

"میرے خیال میں تم اس کی بات سن لو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جو کچھ اس سے ہوا وہ اس کے پردیش کا حصہ تھا۔ اس نے کسی ذاتی دشمنی کی بنا پر تمہیں مار چڑھائیں کیا تھا۔ وہ بارہا ان چار دنوں میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم بہت سی ہو مہکار، ایک بہت شاندار سائنڈ میٹھیں شریک حیات بنانے کے لیے کس طرح جدوجہد کر رہا ہے۔ ان چار دنوں میں انہوں نے کتنے ٹکڑے میاں کے لگائے ہیں۔ بے شمار فون کا لڑکر چکا ہے۔ مگر تم اتنی شرمندہ اور سنگ دل بنی ہوئی ہو کہ اس کے آتے ہی کمرے میں بند ہو جاتی

اور ریسپور اس کی آواز سننے ہی رکھ دیتی ہو۔ میری ماں ایک بار تنہائی میں سوچو تو کسی اس کے بارے میں

باجی! پلیز، مجھے مجبور نہ کریں۔ ہاں اگر آپ لوگوں پر میں بوجھ۔"

مست! اب مہکار، ہمارے خلوص، بے غرض محبت کو کسی کی دیرانی کی خاطر راندنا نہ کرو۔ تم ہم پر نہ اب بوجھ ہو اور نہ بھی بوجھ ہوگی۔" اماں نے اس کی بات قطع کر کے تیزی سے کہا اور کمرے سے نکل گئی تو اسے اپنی جذباتیت کی ایسا کا احساس ہوا کہ محض اس شخص سے بدگمانی کے باعث وہ اپنے محسوس کی کھری نیت پر شک کر گئی تھی۔ اپنی فحاشی کا احساس ہوتے ہی وہ اس کے کمرے میں آ کر افسردہ بیٹھی اسما کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

"مجھے عاف کرو دیجیے باجی۔ میں جذباتیت میں انمول ہوں گی بھی۔"

"کوئی بات نہیں، میں ناراض نہیں ہوں، بس آج سے یہ ناک ختم، میں تعمیر کو بھی منع کر دوں گی کہ وہ شمول کو لگا کر کر دیں جس کی وجہ سے ہمارے درمیان بدعمرگی و بدگمانی پیدا ہو۔ وہ بات اس گھر میں نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ جسے یہ بھرپور غم تھا کہ کوئی بھی لڑکی اس کی رفاقت سے انکار نہیں کر سکتی۔ وہ جس کو چاہے پاس لگا ہے کہ اپنی بھرپور مردانہ وجاہت، اپنی خاندانی بیگم گراؤند اور بڑی جائیداد کے اٹھوتے وارث ہونے کے علاوہ ایک پرسکون چاب پر فائزہ ہونے کا احساس اسے تھا۔

لیکن اس کی خوش فہمی و تفاخر کو ایک بہت عام سی لڑکی نے پھنسا چھوڑ دیا تھا۔ گزشتہ چھ روز سے وہ اس کے پیچھے خوار ہو رہا تھا مگر وہ معمولی سی بھی لشت نہیں دے رہی تھی۔ تعمیر اور اسما نے بھی صاف کوہ دیا تھا کہ وہ مہکار کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے۔ اسے تھا ہی اپنا مسئلہ حل کرنا تھا اور پرالیم یہی کہ صرف ایک دن باقی تھا دادی کی شرط پوری کرنے کے

اقوال دریں

بہو! ہرے دوستوں سے بچو کیونکہ وہ تمہارا تعارف بن جاتے ہیں۔

بہو! جب تک کسی سے بات چیت نہ کرو اسے حقیر نہ جانو۔

بہو! شہر میں ایک خاموشی آوار ہے اور قلم ہاتھ کی ترجمان ہے۔

بہو! دولت کے جھوٹے کو کبھی حقیقی سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔

بہو! ہر ناکامی کے بعد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ناکامی کے بعد مایوس نہ ہوا جائے۔

بہو! دشمنوں کو نیک مشورے سے شکست دو اور دوستوں کو اخلاق و انصاف سے اپنا گرویدہ بنا لو۔

بہو! عورت مصیبت و غم کو کم کرنے کے لیے پیہر لگاتی ہے۔

بہو! امید کا دوسرا نام غریبوں کی قوت ہے۔ (بابا حسین - کراچی)

لیے۔ اگر کل کا دن بھی یوں ہی گزر گیا تو پھر وہ دادی جان کو نہیں روک سکتا تھا۔ ہاں اگر اس شام وہ سر میں دھند میں آنکھوں میں ناپسندیدگی اچھڑے پر چڑھاری لیے وہ گلاب چیرا چاٹک ہی اس کے دل کے منتقل دروازے کھول کر براہمان نہ ہو جاتا تو وہ دادی کی غصہ کردہ کسی بھی لڑکی کو پوری سچائی سے اپنا لپیٹ کر اب بات دل سے زیادہ ضد و خود مری کی آگ لگتی تھی۔ اسے زندگی میں بہت کم چیزیں اور بہت ہی کم چہرے پسند آئے تھے۔ اپنی پسندیدہ چیزوں کو اس نے لاکھ چھین کر کے حاصل کیا تھا۔ مہکار بھی اس کی ضد بن گئی تھی۔ وہ مردانہ انا کو پھل کر اس کی طرف ہنسا تھا کہ جب بات بہت کی ہو تو پھر جھکا، چپکنا کرنا معیوب نہیں لگتا۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں غم تھا کہ

ہاسپٹل سے آگئی اور وہ کاری چالی اٹھا کر کار ہاسپٹل کی طرف دوڑا نہ لگا۔

مہیار نے انظرالی انداز میں کئی چکر گیت کے لگا لیے تھے۔ صبح اسما شہ پر تکلیف میں ہاسپٹل گئی تھیں۔ وہ اتنی بدحواس ہوئی تھی کہ انہیں تکلیف میں دیکھ کر کہ ہاسپٹل کا فون نمبر بھی نوٹ کرنا بھول گئی۔ گھر کا فون ایسا تک ہی فون ہو گیا تھا۔ اس سنے سوچا بڑوں سے فون کر کے ان کی خیریت معلوم کر لیتی۔ صبح سے وہ بیہوش تھیں تو آئی گئی۔ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ در در اسما اور اس کے بولنے والے بچے کی سلامتی کی دعا میں ہی مایک رہی تھی کہ کال تیل کی آواز سن کر لٹے یاؤں گیت تک آئی گئی اور گیت بھول کر سامنے کھڑے شہوکیل کو دیکھ کر بے خبر ہو کر سو گئی تھی، پھر بولی۔

”آپ؟ ہائی اور بھائی جان گھر پر نہیں ہیں۔“

اس نے تیزی سے گیت بند کرنا چاہا مگر اس کا ارادہ آپ کر شہوکیل نے تیزی سے یاؤں درمیان میں دیا تھا اور اس کے بھاری جوڑ کے باعث دروازہ نہ ہو سکا تھا۔

”مجھے میرے ہی بھیجا ہے ہے ہاسپٹل سے۔“

آپ جلدی سے میرے ساتھ چلیں۔“ اس کے اذہ

یہ اور جگت بھرے انداز نے اس کی تیزی و طراری

دادی اور سو سے جاگ اٹھے۔

”ہائی کیسی ہیں؟ سب خیریت تو ہے نا؟“ اس

ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ حالانکہ وہ کئی بار اسما کے ساتھ اس کی چیک اپ ڈیٹ پر جاتی رہی تھی۔ مگر سے ہاسپٹل بہت نزدیک تھا صرف پندرہ بیس منٹ کی مسافت پر۔ پھر یہ کہاں سے کہ جا رہا تھا؟ اس نے گھبرا کر کھڑکی سے باہر بگڑ دیکھا۔ بالکل انجانا راستہ تھا۔ غیر آباد و سلسا علاقہ۔ اس پر وحشت سوار ہونے لگی۔

”یہ... یہ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟“ وہ اس کی طرف رخ کر کے چینی۔

”ہاسپٹل“ منجبرہ وہ سب بات لیتے میں جواب آیا۔

”کون سے ہاسپٹل؟“

”یہ تو مرنے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ لوگ ہماری

لاشوں کو کون سے ہاسپٹل لے کر جائیں گے۔ پوسٹ مارٹم کے لیے۔“ اس کا انداز ہنوز سبب تھا۔

”سنگ... کیا؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“

”میرے پاس صرف یہ چند گھنٹے ہیں۔ پھر کل

سے نیا بھٹ شروع ہو جائے گا۔ تم ایک انتہائی بے

وقوف و احق لڑکی ہو۔ تمہاری نگاہوں میں میری کوئی

اہمیت نہیں ہے، فضولی ضد پکڑ کر بیٹھ گئی ہو کہ میں نے

نار چڑھایا تم پر۔ مگر یہ تو سوچو صابر ملک نے تمہیں کیا بتا

کر میرے سامنے پیش کیا تھا اور تم نے بھی انہیں

ادا کاری کی تھی، جن عورتوں و لڑکیوں کو میں پسند نہیں

رکھا۔ اگر تم اب بھی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم ہو تو میں بھی تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گا۔ مگر تمہارا بچپنا زندگی میں نہیں چھوڑ دوں گا۔“ اس نے خوفناک انداز میں کار و بار و اشارت کرتے ہوئے سرخشی سے کہا۔

”میں آپ سے ہی نہیں، بلکہ دنیا کے کسی بھی مرد

سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ مہیار نے روتے ہوئے

کہا۔ ”مجھے دنیا کے کسی بھی مرد پر اتنا ہراس نہیں رہا ہے۔“

”مرد کے بغیر اس معاشرے میں عورت تمہارے بھی

نہیں ملتی مہم۔“

”اگر حافظہ ہی میرے بن جائے تو؟“

”نہ ہی سارے مرد بے محبت و بے ضمیر ہوتے

ہیں اور نہ ہی تمام عورتیں پارما و پاک دامن۔ کچھ

عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہر آسائش و راحت میسر

ہوتے ہوئے بھی بے راہروی و بد چلتی کو اپنا شعار

بنالیتی ہیں اور کچھ عورتیں اتنی منظم و قابل احترام و

ستائش ہوتی ہیں کہ غلاطیت بھرے ماحول میں رہنے

کے باوجود اس غلاطیت و فتنہ زدہ ماحول کو دل سے

نہیں اپناتیں۔ اس ماحول کا حصہ نہیں بنیں، ان کے

ضد فیصلے سے تم واقف ہو چکی ہو۔ اسما بھائی میر کے کسی دوست کی وائف کے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں جو شہر سے باہر ہے۔ جہاں ہم ابھی کچھ دیر بعد ملنے جائیں گے۔ وہ اور ان کا بیٹا بالکل خیریت سے ہیں۔“

”اتنی گلدنوز آپ اتنی دیر بعد دے رہے

ہیں؟“ اسما کی خیریت اور بے کاسن کراسے جتنی خوشی

ہوئی تھی۔ ”کون ہے ان کے پاس؟“ مہیار بھائی تو بہت

خوش ہوں گے۔“

”بھائی کے پاس دادی جان اور مٹی کو چھوڑ کر آیا

ہوں۔ عمیر نہیں آ سکتا تھا اس لیے اس نے مجھے تمہیں

لے لے کر بھیجا تھا۔ وہ ناراضی انداز میں تفصیل بتاتا ہوا بہت

خفا لگا۔

”اور آپ نے مجھے ڈرا ڈرا کر بے حال کر دیا۔“

”بے حال کس نے کس کو کیا ہے۔ یہ مجھ سے زیادہ

کون جان سکتا ہے؟“

”ٹرین کے سفر میں ساتھ رہنے والا سفید و نند

مزاج و بے مہر نظر آنے والا شخص اس قدر متضا و طبیعت

کا مالک ہوگا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“ مہیار